

جاسوسی دنیا نمبر 20

نیلی روشنی

(مکمل ناول)

گمنام منزل

تاجد نظر چیل اور رستھا میدان پھیلا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گرم ہوا کے تجز جھوکے اپنے ساتھ گرد و غبار کا طوفان لاتے اور مسافروں کے چہروں پر کلی کرتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ چھوٹے چھوٹے اشیتوں پر دینگ روم تو ہوتے نہیں کہ معزز حرم کے سافر کم کیوں کے سیاہ پر دے سکے گرا کر ریگستان میں ایک آدھ گھنٹے ہی کے لئے ایک نغمی سی جنت بنا سکیں۔ یہاں بس چاروں طرف سے کھلا ہوا ایک ٹین کا سائبان تھا۔ جس کے نیچے بھانس بھانس کے آدمی عجیب انداز سے لیٹے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد سے اٹے ہوئے چہروں پر دھشت اور بیزاری کے ملے جلے آثار پائے جاتے تھے اگر کوئی سہوا بھی اپنے خلک ہوتوں پر ایک بار زبان پھیر لیتا تو کافی دیر سکے اس کے دانتوں کے نیچے ریت کے ذرے کر کراتے رہتے اور وہ کچھ ایسے تخت انداز میں اپنے ہوتوں کو قوسوں اور دائرہوں کی محل میں جنبش دھاتا کہ دوسروں کے منہ بھی گھبڑ جاتے۔ سائبان بھٹکی کی طرح تپ رہا تھا اور اس پر سے گرم ہوا کے جھوکے... زبانیں ٹھلی پر ریتیں۔

اس وقت کوئی سر جنث حمید کو دیکھتا تو یہ نہ کہہ سکتا کہ وہ بھی نفاست پندی کے جتوں میں جھلکا ہو گا۔ اس کے چکلے بال گرد میں اٹ گئے تھے۔ چہرے پر اس قدر دھول تھی کہ اب ناتھ پر سے پیسہ پوچھنے کی بھی بہت نہیں رہ گئی تھی۔

سرخ دسپید رخسار جلس گئے تھے اور وہ وقت کا مریض معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں سوائے ایک موٹی سی گالی کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ جسے وہ بھی اپنی ذات سے منسوب کرتا اور کبھی اپنے مجھے کے اعلیٰ افسر کی ذات سے۔ اس ریگستان کو پار کرتے وقت وہ ترین پر سوچتا آیا تھا

کہ منزل مقصود پر ضرور کچھ نہ کچھ سکون ملے گا۔ لیکن یہاں پہنچ کر ساری امیدوں پر اوس پڑی گی اور اب اس ساتھیان کے نیچے ایک سوت کیس پر بیٹھا اس موڑ کا انتظار کر رہا تھا جس کی بشارت اس کے مکھے کے اعلیٰ افسر نے پہلے ہی دے رکھی تھی؟

یہ بلائے تاکہ بھائی اس پر اچاک بازل ہوتی تھی۔ بس یو نہیں ایک دن آفس میں بیٹھے بھائے افسر اعلیٰ کے نادر شاہی فرمان کا شکار ہو گیا۔ اسپکٹر فریدی بھی ان دونوں شہر میں موجود نہیں تھا ورنہ شاید اس کی نوبت نہ آتی.... بہر حال شدی.... ہونے والی بات اور پھر ملازمت کا مطلب ہاتھ پر رہا تھا رکھے بیٹھے رہتا تو نہیں ہوتا۔ ہاں جب کام کی نوعیت ہی بے سروپا ہو تو اختلاج کا ہوتا لازمی ہے۔ سرجنت حید بھی اختلاج میں جتنا تھا۔ اس کے اعلیٰ افسر نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اسے فلاں اشیش پر اتنا ہے پھر دہاں سے اسے ایک سیاہ رنگ کی کار لے جائے گی۔ کہاں؟ اس کی خبر حید کے فرشتوں کو بھی نہ تھی۔ اس کا مقصد کیا تھا؟ یہ چیز بھلا کیوں کھراں کی صورت میں اس کی سمجھ میں آتی۔ جب کہ اسے اپنی منزل تک کا علم نہیں تھا؟ البتہ ٹرین پر کمی بار اس سوال کے جواب میں اس کے ذہن میں لفظ "جہنم" "ضرور گو" نجا تھا اور اب وہ چیز جہنم میں بیٹھا اس سیاہ رنگ کی کار کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے تمہاراں سکھوں کر تھوڑا سا پانی پیا اور کمی لپچائی ہوئی نظریں اس کے تمہاراں پر گز کر رہے گئیں۔ لیکن اس نے جھلابت میں انہیں اس طرح اپنے ذہن سے جھلاؤ دیا چیز کوئی کان پر ریکھتی ہوئی چیزوں نہیں جھلاؤ دیتا ہے۔ ہمدردی اور انسانیت کے سارے جذبات جیسے فنا ہو گئے تھے۔

اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرتا پر اٹھیک گیا رہ بیجے ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی کار شیڈ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر ایک بھاری جبڑوں اور پھولی ہوئی سرخ ناک والا آدمی بیٹھا اپنی چھوٹی چکلی آنکھوں سے ساتھیان کا جائزہ لے رہا تھا اس کی سمجھی موچیں اس طرح نیچے کی طرف جگی ہوئی تھیں کہ نیچلے ہونٹ کا صرف درمیانی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ گردن اتنی کوہتا ہے تھی کہ اس کا سر شانوں کے درمیان رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

حید سماں اٹھا کر کار کی طرف لپکا۔ ڈرائیور نے سر کی خفیہ سی جنبش کے ساتھ پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور وہ دروازہ کھوٹ کر زرم گدیلے میں دھنس گیا۔ کار چل پڑی۔ حید نے کھڑکوں کے شیشے چڑھا دیے تھے۔ پھر بھی ریت اور اندر رسمی آرہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد

اس کی حالت اتنی ابتر ہو گئی کہ وہ ڈرائیور سے یہ تک پوچھنا بھول گیا کہ وہ اسے کہاں لے جائے گا۔ کار نہ جانے کب تک چلتی رہی حمید کو کچھ یاد نہیں اس پر غشی سی طاری تھی۔ بس کبھی کبھی اس کے ہاتھ غیر شوری طور پر تمہارا سے جا لگتے اور وہ دو ایک گھونٹ پی کر پھر اسے نیچے ڈال دیتا۔ ڈرائیور اسٹرینگ پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی پیچھے پلٹ کرنے دیکھا۔

شام ہوتے ہوتے کار ایک سر بزرگ وادی میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید اس قدر بے جان ہو چکا تھا کہ اس میں کھڑکیوں کے شنیٹے تک گرانے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ ڈرائیور نے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور کار روک کر نیچے اتر آیا پھر اس نے زور سے دروازے کھول کر شنیٹ گرائے اور خنک ہوا کے فرحت بکش جھونکوں نے حمید کی بے ہوشی میں اضافہ کر دیا۔۔۔۔۔

یہاں دور تک سر بزر چنانیں بکھری ہوئی تھیں اور موٹے نہوں کے چھوٹے اور گنجان درخت حد نظر تک پہلے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے حمید کو بازوؤں میں اٹھا لیا اور ایک طرف چلا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ نارنجی شعاعیں آہستہ آہستہ ڈھلوانوں پر چڑھ رہی تھیں اور نہائے میں پرندوں کا شور گونج رہا تھا۔ ڈرائیور حمید کو اٹھائے چڑا رہا۔ پھر وہ ایک چھوٹے سے چھٹے کے کنارے رکا اور حمید کو زمین پر ڈال کر اس کے منہ پر چھینٹے دینے لگا۔

تحوڑی دیر بعد حمید ایک پتھر سے فیک لگائے جیر انی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ڈرائیور کار سے اس کا سوٹ کیس بھی اٹھا لایا تھا اور اب اسنوں پر چائے کاپانی چڑھا کر کیتلی کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی نظر بیکتے ہی وہ اسنوں سے کوڈ کر چھٹے میں جا پڑے گی۔

”ارے بھائی تم کون ہو! اور مجھے کہاں لئے جا رہے ہو۔“ حمید نے اس سے پوچھا لیکن اس کی مشغولیت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔“ اس بار حمید کے لمحے میں جلا ہٹ تھی۔

اس نے چونک کر حمید کی طرف دیکھا۔

”مجھے کہاں جاتا ہے۔“ حمید نے دہر لیا۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر پھر کیتلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ برف کی طرح سرد معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کو پہلے تو غصہ آیا لیکن پھر اس کے سارے جسم میں ایک خشنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ وہ کافی دیر تک حرث آمیز نظروں سے ڈرائیور کو دیکھتا رہا جو اسے حد درجہ نہ اسرار معلوم

ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے کیتیلی پر سے نظر ہٹا کر ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ حمید سوچتے لگا کہ آخر وہ صرف سوت کیس ہی اٹھا کر کیوں لاایا ہے۔ سوت کیس کے علاوہ تمہارے اور ناشتہ دان بھی تو تھے اس سے پوچھنا چاہا۔ لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو رہا۔

دن بھر کی کوفت اور حکن کے بعد خندے پانی کے چیزوں کا قرب گویا اسے جہنم سے سچھ کر جنت میں لے آیا تھا اس نے انھوں کو سوت کیس سے غسل کا لباس نکالا اور نہانے کی تیاری کرنے لگا۔

”چشمہ زیادہ گہر ا تو نہیں۔“ حمید نے ڈرائیور سے پوچھا۔

اس نے کیتیلی سے نظر ہٹائے بغیر لنگی میں سر بلاد دیا۔

حمد کافی دیر تک نہاتا رہا۔ پانی کی خندک اسے روح کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس لذت میں اس طرح کھو گیا تھا کہ اسے وقت کا بھی احساس نہ رہا۔ سورج پہنچائیوں کے پیچے چھپ گیا تھا اور افق میں کئی چکلیے رنگ ابھر آئے تھے۔

ڈرائیور نے چائے تیار کر لی تھی اور اب بستے ہوئے پارچوں کے سینڈوچ بنارہا تھا۔ دھڑا حمید کو یاد آیا کہ وہ دو پھر سے بھوکا ہے۔

خندے پارچے کے سینڈوچ بھی اس وقت اسے بڑا مزہ دے رہے تھے۔

”بھی آخر تم بولتے کیوں نہیں۔“ حمید نے کھاتے ہوئے سر اٹھا کر کہا۔

موڑ ڈرائیور کے ہونٹوں پر ایک بیجان سی مسکراہٹ پھیل گئی لیکن وہ کوئی جواب دینے کے بجائے اپنے لئے چائے انٹیلنے لگا۔ حمید کو کچھ توہنی آئی اور کچھ جھنجلاہٹ معلوم ہوئی لیکن اس نے جھنجلاہٹ کا انتہا کرنا مناسب نہ سمجھا! چیزوں کے خندے پانی اور گرم گرم چائے کے کپ نے کویا اسے نبی زندگی بخش دی تھی اور وہ حسب دستور قدیم چپکنے کے مود میں آگیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب ڈرائیور کو گھورتا رہا پھر اچانک بولا۔

”بھی اگر گوئے ہو تو صاف صاف بتاؤ۔ میں کیوں خواہ تنوہ مغزماروں۔“

ڈرائیور بے اختیار ہس پڑا۔

”مجھے گوناہی سمجھتے۔“ وہ بھدی اور بے ہنگم آواز میں بولا۔ ”میں کچھ نہیں جانتا مجھے صرف

ایک بتائے ہوئے نشان پر آپ کو اتارتے ہیں اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔“

”نشان پر...!“ حمید چوک کر بولا۔ ”کیا مطلب۔“

”مطلوب خود میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔“ ذرا سیور نے لاپرواٹی سے کہا اور چائے کی خالی پیالاں اٹھا کر باسک میں رکنے لگا اس کے چہرے پر پھر سنجیدگی اور سفاکی کے آثار بھیل گئے تھے۔

”ماں تو کہاں.... اتار دو گے.... جنگل میں.... قبرستان میں.... یا کسی....!“

”جنگل میں....“ ذرا سیور نے کہا۔ ”جبکہ دور دور تک آبادی کا پتہ نہیں۔“

”سمال کر دیا.... آخر....!“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے یہی حکم ملا ہے اور نہ میں اس کے متعلق کوئی انکلتو کرنا چاہتا ہوں۔“ حمید کا دل چاہا کہ ایک نائل پر کھڑے ہو کر کتوں کی طرح بھوکنا شروع کر دے آخر اس کے اعلیٰ افسر کا مقصد کیا تھا اسی طرح کچھ دن قبل جب وہ گھر پر موجود نہیں تھا اپنکے فریدی بھی اپنا اتنا پاہتا ہے بغیر غائب ہو گیا تھا۔ گھر کے ملازموں سے بس اتنا معلوم ہوا کہ اس نے کسی لبے سز کی تیاری کی تھی اور وہ اس کے لئے بھی کوئی پیغام نہیں چھوڑ کیا تھا لیکن حمید نے اسے اس وقت تک اہمیت نہیں دی تھی کیونکہ اس سے قبل بھی کتنی بار ایسا ہو چکا تھا۔ یوں بھی یہ عادت فریدی کی فطرت تھا یہ بن چکی تھی کہ وہ اپنے پروگرام کسی کو نہیں بتاتا تھا۔ اسی طرح غائب ہو جانے کو کوئی خاص معنی نہیں پہنچا تھے۔ لیکن اس وقت وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخر اعلیٰ افسر کیا چاہتا ہے اس کے ذہن میں یونہارڈ سا والا واقعہ تھا۔ یونہارڈ یونرپ کا مشہور بلیک میلر جو مسٹر جیکن کے بھیس میں محلہ سراغ رسانی کا پر نئندھٹ بن بیٹھا تھا تو پھر کیا کوئی اس تم کا حادث چیز آیا چاہتا ہے کہ یہ ان دونوں کے ف کوئی سازش تھی؟

حید بیک وقت چوک پڑا۔ ذرا سیور سوت کیس اور باسک اٹھائے چلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ بادل خواتین اس کے ساتھ ہو لیا۔

کار پر چل پڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اندر ہمراپھیلہ جا رہا تھا۔ دھطا ایک خیال حید کے ذہن کے عقیقی حصے سے شور میں ریک آیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ سوت کیس کے اندر کپڑوں میں کچھ شول رہا تھا آخر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ رو اوپر اپنی جگہ پر موجود تھا اس نے رو اوپر کی چیزیں کا ندھر پر ڈال کر اوپر سے کوٹ چکن لیا۔ نکلی بڑھتی جا رہی تھی۔ ذرا سیور بدستور اسٹینرگ پر جھکا ہوا تھا۔ دونوں طرف عظیم اشان چٹانوں کا سلسلہ تھا اور ہیئت لاپیٹس کی روشنی مل

کھاتی ہوئی پہاڑی سڑکوں پر پھیل رہی تھی۔ انہیں کا شور چٹانوں سے ٹکرا کر دور دور تک منتشر ہوتا معلوم ہوا رہا تھا۔ کبھی کبھی بڑے بڑے بالوں والی سفید لومڑیاں روشنی میں سڑک پار کرتی دکھائی دے جاتی تھیں۔ قرب وجوار میں پھیلے ہوئے گنجان درخت تاریکی میں کچھ عجیب و خشت خیز سے لگ رہے تھے۔

”اوے بھائی کم از کم اتنا تو بتا دو کہ ابھی کتنا اور چلتا ہے۔“ حمید نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

”بس دو تین سیل اور۔“

”تمہیں کس نے بھیجا ہے۔“

ڈرائیور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حمید کا دل چاہا کہ ریو اور کی ہال اس کی نظر نہ آنے والی گردن سے لگا کر لبپی کو دبادے۔

”یار تم عجیب آدمی ہو....“ حمید نے پھر کہا۔

”ویکھئے“ ڈرائیور کر دست آواز میں بولا جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہوں اسے صرف سوچتے رہئے۔

”ویکھو دوست میں ابھی تمہاری گردن ناپ سکتا ہوں۔“ حمید نے دانت ٹیس کر کہا۔

”اس سے فائدہ؟“ ڈرائیور نے قہقہہ لگایا۔ ”میرے بعد آپ یہاں تین بچوں کی طرح بھکتے پھریں گے۔“

حمدی کو اس زور کا غصہ آیا کہ اسے اپنی عقل گدی سے نکتی معلوم ہونے لگی۔ لیکن وہ کرتا بھی کیا۔ قہر درویش بر جان دردویش اس نے یہ بات بھی قاعدے ہی کی کہی تھی۔ اگرچہ مجھ وہ تمہارہ کیا تو کہاں بھکلتا پھرے گا۔

حمدی نے ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ پر ڈال دیئے اور تن پر تقدیر ہو بیٹھا۔

آخر کار ایک جگہ رک گئی اور ڈرائیور نیچے اتر گیا۔

”اتریے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

حمدی اندر ہیرے میں آکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”یار.... کیوں؟“ وہ ایک بار پھر ہکلا کیا۔

”خہریے.... میں آپ کا سوٹ کیس اتارے دیتا ہوں۔“ ڈرائیور نے آگے بڑھ کر کہا۔

”تو کیا مجھ تینیں۔“

"جی ہاں۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو۔"

"جلدی سمجھتے میرے پاس وقت نہیں ہے۔" ڈرائیور کا الجھ درشت تھا۔

اس نے حمید کا سامان نیچے اتار دیا۔ طوعاً و کرہاً حمید بھی اتر آیا۔

"تم بھول تو نہیں رہے ہو!" حمید نے بوکھلا کر کہا۔

"شب بخیر...." ڈرائیور نے کار میں بیٹھ کر دروازہ پسند کرتے ہوئے کہا۔

حمدی "اڑے اڑے" ہی کرتا رہ گیا اور کار اگلے موڑ پر پہنچ کر نظر وہ سے غائب ہو گئی۔

پہلاں جھینگروں کی کان چھاڑ دینے والی تیز سیٹیاں فضائیں گونج رہی تھیں۔ حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اندر ہیرا تاریک ڈھلوانوں سے پھسل کر اس کے گرد اوپنی اوپنی دیواریں کھڑی کر رہا ہو اور یہ دیواریں اسے چیز ڈالنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہوں۔ دھنٹا قریب ہی بہت سے گیدڑیجی اشے اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک برفلی لمبہ دوڑ گئی۔

دہ دو بڑی چٹانوں کے درمیان بکھری ہوئی خاردار جھاڑیوں میں کھڑا تھا۔ ہر دوسری الحد زیادہ سے زیادہ پاگل کر دینے والا ثابت ہو رہا تھا۔ حمید ڈرپوک نہیں تھا لیکن ایسے حالات میں مرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کوئی تک ہے آخر؟

پھر اسے دور کہنیں کسی لکڑ سمجھے کی تقدیمہ نہ مانی جائیتا۔ دی جو لمحہ پر لمحہ قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سوٹ کیس وغیرہ وہیں چھوڑ کر دوسری سمت والی چٹان پر چڑھنے لگا۔ انہیاں پلندی پر پہنچ کر وہ سانس لینے کے لئے رکا؟ چاروں طرف گھبری تاریکی تھی۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے ستارے بھی دھنڈ لے ہو رہے تھے۔ دیوبیکر چٹانوں کے نیچے بکھرا ہو اندر ہیرا تو نہ جانے کتنی خبیث ارداخ کی کہنیں گاہ معلوم ہوتا تھا۔

دھنٹا حمید کو اپنے سر پر تیزی سے جھپٹتا ہوا ایک سایہ دکھاتی دیا اور پھر اس نے اس کے سارے جسم کو ڈھک لیا۔ اس نے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی گئی بے سود۔ سر سے ہر تک وہ ایک تک جال میں پھنسا ہوا تھا وہ لڑکھا کر گرپڑا۔ وہ کچھ ایسے بد حواس ہو گیا تھا کہ اس کے منہ سے جیچ تک نہ نکل سکی۔ جال کے حلقوں تک ہوتے جا رہے تھے اور پھر وہ نیچے کی طرف لڑکنے لگا۔ اس نے کسی بار جھاڑیوں کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

خوفناک گروہ

حید نہ جانے کب تک بے ہوش رہا۔ بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے اسے افیت کا احساس ہوا۔ اس کے سارے جسم میں سویاں ہی چھپ رہی تھیں۔ چاروں طرف زرور گک کی گہری دھنڈ چھائی ہوئی تھی۔ کئی منٹ تک وہ انہوں کی طرح اور اور ٹولتا رہا پھر آہستہ زردی سے سیاہی کے چیخ و خم منجھ گئے اور اسے مومن تھی کی لوصاف نظر آنے لگی۔ وہ ایک غار میں پڑا ہوا تھا اس کے نیچے ڈنک گھاس کا بستر تھا اور قریب ہی اس کا سامان پڑا ہوا تھا۔ یہاں کچھ تھوڑا سامان۔ بھی تھا مگر کس کا؟ اس کا پستول کار تو س کی چینی سمیت کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حید نے جھپٹ کر اسے اٹھایا۔ یہ اس کا ایک اضطراری فعل تھا۔ ورنہ وہ لاکھ کو شش کے باوجود بھینہ اٹھ سکتا تھا اس کے سارے جسم میں بے شمار خراشیں تھیں جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ متعدد چکے کاٹنے چیخ گئے تھے۔ دانے ہیر میں اگر موجود نہیں آئی تھی تو کوئی رگ ضرور اپنی چک سے کھک گئی۔ کیونکہ وہ پورا بیرون جا کر زمین پر نہیں رکھ سکتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر غار کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں ایک انگلیشمی رکھی ہوئی تھی جس میں کوئے دبک رہے تھے اور اس پر رکھی ہوئی کیتی سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ بھاپ سے چھلنے والی ہلکی خوشبو بیٹارہی تھی کہ اس میں کافی ہے اس کے قریب ہی دودھ کا ذوبہ دکھائی دیا۔ غالباً شکر بھی کہیں قریب ہی رکھی ہو گی۔

بھوک کے مارے حید کا نہ احوال ہو رہا تھا۔ کافی کی خوشبو نے اسے قریب قریب خوش کر دما اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ اس حال میں ایک نامعلوم چک پر چھپتے نہیں قید ہے یا آزاد ہے۔ کچھ دیر قبل جو حادثہ پیش آیا تھا اس کا مطلب کیا تھا۔ وہ بے تحاشا کافی کی کیتی کی طرف جھپٹا اور دفعٹا غار کے دہانے کے قریب اسے ایک قہقہہ سنائی دیا۔

حید اور ہر متوجہ ہوا اور سامنے اسکنٹ فریدی کو کھدا دیکھ کر بے ساختہ اچھل کر کھدا ہو گیا۔

“آپ....!”

اسکنٹ فریدی اپنے مخصوص انداز میں کھدا مسکرا رہا تھا اس کے جسم پر ایک خاکی رنگ کی بر بھس تھی اور ایک میلا ساجیکٹ جو کہنیوں سے پھٹا ہوا تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا چہرے پر ہلکی سی سیاہی

دوڑ گئی تھی لیکن آنکھوں کی دھیان نہ چک اس حال میں بھی برقرار تھی اس کے دونوں ہاتھ پر جس کی جیبوں میں تھے اور ہوتنوں میں سگار دبا ہوا تھا۔

"آخر اس کا مطلب" حمید جھنجلا کر بولا۔ "اگر میری جان ہی لئی ہے تو کسی دن شوت کر دیجئے!"

"وہ تو آخری حرپ ہے کا۔" فریدی نے منہ سے سگار نکال کر کہا اور ہر باسکت میں کچھ سینڈوچ بھی ہیں۔ مگر غیرہ! تمہیں انہی کے لئے کس نے کہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر حمید کو پھر گھاس کے بستر پر ڈال دیا۔

"آخر یہ کیا بھان متی کا تماش ہے۔" حمید دانت چیز کر بولا۔

"سب معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال تم چپ چاپ پڑے رہو۔"

فریدی نے باسکت سے کچھ سینڈوچ نکالے اور دو پیالیوں میں کافی بنائی۔

حمد سینڈوچ کھاتے وقت بھی بڑبوائے جا رہا تھا۔ پھر اس نے دفتار اٹھا کر کہا۔

"ایک تو دن بھر گیستان میں چمارہ۔ اس کے بعد یہ مذاق۔ اگر ریڑھ کی ہڈی ثوٹ جاتی تو۔"

"امریکہ سے دوسری منگوایتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر تم غلط سمجھے ہو۔"

"کیا غلط سمجھا ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "گویا کہتے کا پلا تھا۔ اول تو اس طرح بے سکلے پن سے بلویا پھر جال میں پھسا کر۔"

"بھی تو تم نہیں سمجھے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "مگر اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا۔" "ایک کیا فائدے ہی فائدے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "میرے جسم پر لا تقداد فائدے ہیں جن سے ابھی تک خون بہ رہا ہے۔"

"اچھا پہلے تم اپنا غصہ اتار لو اس کے بعد میں کچھ کہوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ کافی ختم ہونے کے بعد فریدی حمید کے زخم دیکھنے لگا۔ کئی جگہ سے کائے بھی نکالے۔ زخم گھرے نہیں تھے۔ معمولی خراشیں تھیں۔

حمد کا غصہ بھی سرد ہو چکا تھا اور وہاب گھاس کے بستر پر لینا ہو لے ہو لے کر اور رہا تھا۔

"تم سے زیادہ بیگب حالات میں میں یہاں پہنچا ہوں۔" فریدی نے سگار سلاکتے ہوئے کہا۔

"مگر جال میں پھسا کر۔"

”پھر وہی۔ پہلے سن تو لو... جال میں میں نے نہیں پھسایا تھا۔“

”یعنی....؟“

”بس سنتے جاؤ۔ نہبہرو۔ یہاں اندھیرا ہتھ بہتر ہے۔“ فریدی نے کہا اور انٹھ کر موسم ہتھ بھادی۔
”خاموش۔“

اور پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے فریدی آہستہ آہستہ غار کے دہانے کی طرف ریک رہا ہو۔
تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کسی کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کیں۔ لیکن
وہ دم سادھے پڑا رہا۔

”وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔“ فریدی کی سرگوشی پھر ستائی دی۔
”حمد کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔“
”کون۔“

”وہ جنہوں نے تمہیں جال میں پھسایا کر کپڑے کی کوشش کی تھی۔“
”وہ کون ہیں۔“

”پھر بتاؤں گا۔۔۔ چپ چاپ پڑے رہو۔ ورنہ کتوں سے بدتر موت نصیب ہو گی۔“
حمد کی پلکیں بو جمل ہوتی جا رہی تھیں اس پر پھر غشی طاری ہو گئی۔ رات میں کئی بار اس کی
آنکھیں کھلیں۔ لیکن اس بیداری میں شعور کو دخل نہ تھا۔

دوسرے دن وہ کافی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ فریدی کے جگانے پر اس نے آنکھیں تو
کھولیں لیکن اپنی جگہ سے مل نہ سکا۔ سارے جسم میں درد ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مر چیزیں سی
بھری معلوم ہو رہی تھیں۔

”اڑے تمہیں تو اچھا خاصاب خاہر ہے۔“ فریدی نے کہا۔

حمد نے کوئی جواب دینے کے بجائے آنکھیں بند کر لیں۔

”یہ تو بہت بُرا ہوں۔“ فریدی خود بخود بڑی بڑی اس کی پیشانی پر گھرے تھکر کی لکیریں نظر
آرہی تھیں۔ حمید کچھ بولنے کے مودع میں نہیں تھا۔

”دواؤں کا کبکی بھی یہاں موجود نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں
پہنچنے تک اس حادثے کا شکار ہو جاؤ گے۔“

حید جھا کر اٹھ بیٹھا۔

”میں کہتا ہوں آخر اس طرح بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“ اس نے کہا۔
”حالات ہی ایسے تھے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”حالات! خدا سمجھے ان حالات سے آپ کے ساتھ حالات کے علاوہ اور رہتا ہی کیا ہے۔“
”بھی بات بھی سنو تو۔“

”نایئے نا!“ حید جھنچھا کر بولا اور فریدی پیٹھے لگا۔

”مجھے بھی اسی طرح کچھ بتائے بغیر روانہ کر دیا گیا تھا۔ نیکم گذھ کے محلہ سراغ رسانی کا
پر نہنڈنٹ مجھے اسی ایششن سے نیکم گذھ لے گیا۔ جس رات سے تم یہاں آئے ہو۔“
فریدی سکار سلانے کے لئے رکا اور دو تین کش لینے کے بعد بھی خاموش ہی رہا۔ حید کو اس
کی اس عادت سے پرانی عدالت تھی۔ وہ ہمیشہ ایک بات کرتے کرتے دوسری بات میں الجھ کر اس
کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

”لیکن کیوں؟ کس لئے؟“ حید نے پوچھا۔

”یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”کمال کر دیا؟“ حید بھنا کر بولا۔ ”تو گویا...!“

”اوہ سنو تو....!“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”بظاہر بات اتنی ہی ہے کہ یہاں سے
ناجائز برآمد ہو رہی ہے۔ لاکھوں روپیہ کا سونا ہمسایہ ملک میں ناجائز طور پر بھیجا جا رہا ہے۔“

”تو یہاں کا محلہ سراغ رسانی اتنی سی بات کا پتہ بھی نہیں لگا سکا۔“ حید نے کہا۔

”یہی تو حرمت کی بات ہے!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ سلامان
کس وقت اور کس طرح گذر رہا۔“

”پھر انہیں اس کے متعلق معلوم کیسے ہوتا ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”ہمارے جاؤں ہمسایہ ملک سے اس کی اطلاع دیتے ہیں۔“

”حرمت ہے.... اتنی ذرا سی بات۔“

”ذرا سی بات نہ کہو! بہت ہی منظم گروہ ہے۔ ایک ایک بات کی خبر رکھتا ہے اس کا اندازہ تو
اب ہوا ہے کہ یہاں کا محلہ سراغ رسانی اس کے مقابلے میں کتنا کمزور ہے۔ اب اپنی آمد ہی کے

پارے میں غور کرو! محض راہداری کے لئے اتنا نیز حامیز حارست اختیار کیا گیا تھا۔ لیکن انہیں اس کی بھی اطلاع ہو گئی اور انہوں نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت صرف دوست تھے۔ درست شانکہ میں تمہیں چھڑانے میں کامیاب بھی نہ ہوتا۔“

”وہ ڈرائیور کون تھا۔“ جمید نے پوچھا۔

”تمہیں کے مکمل سراغ رسائل کا کوئی آدمی رہا ہو گا۔“

”بھتے تو اسی پر تک ہے۔“ جمید نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے.... اس قسم کی یاتوں کے کھل جانے کے ذریعہ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ بھروسوں کے آدمی مکمل سراغ رسائل میں بھی موجود ہیں۔“

”تو کیا آپ اسی غار میں رہتے ہیں۔“

”تمہیں وہ تو میں تمہاری وجہ سے یہاں آبسا تھا۔ لیکن اب سوچتا ہوں کہ اس طرح چھپنا چھپنا قطعی فضول ہے کیونکہ مجرم ہم سے اچھی طرح واقف ہیں۔“

”پھر کیا کہیجے گا۔“

”ویکھو بھائی ایسے حالات میں موت دو چار ہی قدم کے فاصلے پر ملتی ہے اسی لئے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔“

”آپ تینکم گذہ میں کب سے مقیم ہیں۔“

”تمن دن سے۔“

”اور آپ کے ساتھ کوئی خاص حادثہ چیز نہیں آیا۔“

”نہیں قطعی نہیں۔ ممکن ہے اس وقت تک انہیں میری موجودگی کا علم نہ رہا ہو۔“

”لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں میرے آنے کی اطلاع تو مل جائے اور آپ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو ایک ہی جگہ ٹھکانے کا دینے کی اسکیم بنائی ہو۔“

”اگر یہ بات ہوتی تو صرف دوستی آدمی نہ آتے اگر وہ میرے متعلق بھی جانتے ہوں گے تو۔“

انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں دوچار آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔“

”یہ نہ کہئے! بے خبری میں بڑے بڑے مارے جاتے ہیں۔“

”ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔“ فریدی مکرا اکبر بولا۔

حید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”آپ نے مجھے کس طرح رہائی دلائی تھی۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے وہاں جنپنے میں تھوڑی دیر ہو گئی تھی اور نہ اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔ بہر حال میں اس وقت پہنچا جب وہ تمہاری چیز کی تو بے تحاش فائز کرنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر تک وہ مقابلہ کرتے رہے لیکن پھر بھاگ لئے اگر میں جانتا ہوتا کہ وہ صرف دو ہی چیز تینیں فائز کرتا اس کے بجائے انہیں پکڑنے کی کوشش کرتا۔“

”لیکن اس کے بعد بھی تو وہ ہمیں حلاش کرتے پھر رہے تھے۔“ حید نے کہا۔

”ہاں.... آس۔“ فریدی بجھا ہوا سگار سلاکا کر بولا۔ مگر اس وقت وہ آٹھ دس تھے۔

”آٹھ دس....!“

”ہاں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا کوئی لذہ یہاں سے قریب نہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن مجھے یقین ہے کہ انہیں یہاں میری موجودگی کا علم نہیں تھا ورنہ وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف ہوتے اور اس وقت ہم کہنیں اور پائے جاتے۔“

حید نے کروٹ کروٹ بدلتی اور فریدی انہوں کو آتش دان کی آگ تیز کرنے لگا۔ آتش دان پر رکھی ہوئی لوہے کی سلاح میں کوئی پرندہ لگا ہوا تھا جسے وہ نہ کچڑک کر بھوٹا جا رہا تھا۔

”تواب کیا یہیں پڑے رہنے کا رادا ہے۔“ حید نے کہا۔

”نہیں تو.... تم ذرا نحیک ہو جاؤ تو ہم نیکم گذھ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔“ فریدی نے سچ کو آتش دان پر سے اتنا تھے ہوئے کہا۔

”میں بالکل نحیک ہوں۔“ حید نے کہا۔ ”اور پھر مجھے اس غار میں وحشت ہوتی ہے۔“

”کتنی رومان آفریں جگد ہے۔ آج تم غروب کا مختار ضرور دیکھنا ہے ہے؟ حید تم نے

ذیوٹ ہو۔ یہاں زندگی ہے بیمارے ان چٹانوں سے حیات کے جیسے ایسے معلوم ہوتے ہیں۔“

”اور لکڑ بھگوں کے خونی قبیلوں کے متعلق کیا خیال ہے۔“ حید منہ بنا کر بولا۔

"چھوڑو بھی۔" فریدی نے اس کی طرف کافی کاپالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جہاں ہم بیٹھنے ہیں یہ بھی لکڑے بھجے ہی کی پناہ گاہ ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید دانت پیس کر خاموش ہو گیا۔

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"لیکم گذھ کے جس ہوٹل میں، میں غہرہ اہوں ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ عمدہ کھانا آرام دہ بست، قاعدے کے لوگ، عمارت تو ساری لکڑی کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن اتنی پرد فضا جگہ پر واقع ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ طاز مسوں میں ایک بھی مرد نہیں سب لڑکیاں ہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ فریدی اسے بچوں کی طرح بھلانے کی کوشش کر رہا ہے۔

انہوں نے دو دن تک اسی غار میں قیام کیا اس دوران میں کوئی خاص واقع پیش نہیں آیا۔ حمید اب بالکل ٹھیک ہو گیا تھا لیکن ابھی اس کے لئے ایک جان لیوا رحلہ باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا لیکم گذھ تک کا پہل سر۔ لیکم گذھ وہاں سے تقریباً اس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ فریدی سے دو یہ بھی سن چکا تھا کہ راستے میں گھنے جنگلوں کے سلسلے ملتے ہیں جو وحشی درندوں سے پر ہیں لیکن بہر حال اسے ان جنگلوں کو پار کرنا ہے۔

تیسرا رات وہ لیکم گذھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید کا سوت کیس وہیں غار میں ڈال دیا گیا۔ کپڑے اور دوسری چیزیں ٹھکار کے بڑے تھیلوں میں بھر لی گئی تھیں۔ جنہیں وہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے دشوار گزار راستے طے کر رہے تھے۔

نیلا ہیجان

لیکم گذھ پہنچ کر وہ اسی ہوٹل میں اترے جہاں فریدی سے پہلے مقیم تھا۔ عمارت کچھ زیاد وسیع نہیں تھی۔ مسافروں کے نہبھنے کے لئے صرف میں کمرے تھے اور پوری عمارت میں شاید ہی کہیں یہیں یا پھر استعمال کیا گیا ہو۔ عمارت تھی تو لکڑی ہی کی لیکن سیلے سے بنائی گئی تھی۔ بہر ونی دیواریں جو بڑے بڑے گول ہمیتیں دیں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی بھورے رنگ کی دار فرش

سے رنگی گئی تھیں اندر کی طرف سپاٹ تختے لگا کر انہیں ہموار بنتیا گیا تھا اور ان پر سفیدے کا پالش تھا۔ یہاں پر زیادہ تر غیر ممالک کے سیاح تھمہرا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ مصور ہوتے تھے اور کچھ ایسے جنہیں کوہ پیانی کا شوق یہاں کھینچ لاتا تھا۔ کبھی کبھی لبے بالوں والی لوڑیوں کے ٹکاری بھی آنحضرتے تھے۔

محل و قوع کے اعتبار سے تیکم گذھ کے لوگ اسے ”رشک ارم“ کہتے تھے۔ یہ انہائی اوپھائی پر بنتیا گیا تھا کہ یہاں سے دور دراز پہاڑی سلسلوں کی بر قانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی تھیں جن پر طلوں و غروب کے وقت قوس قزح کے رنگ پھیلے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ نشیب میں دور تک سدا بہار درختوں کے جگل پھیلے ہوئے تھے۔ داہنی طرف کے ڈھلوانوں میں ایک پہاڑی نالہ چنانوں سے گلرا کر جنمگاتے ہوئے قطروں کے موئی اچھاتا ہوا بہہ رہا تھا۔ آگے چل کر اس نے ایک وسیع جیبل کی شکل اختیار کر لی تھی اور پھر اس کا پانی الگی پہاڑیوں کی دراڑوں میں تھس کرنہ جانے کتنے اور تالے بناتا تھا۔

فریدی اس ہوٹ میں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے روپورٹر کی حیثیت سے مقیم تھا۔ قیام کا مقصد سیر و ٹکاری ان کیا گیا تھا۔ اس نے جب وہ حید کے ساتھ بحالت تباہ ہوٹ میں داخل ہوا تو کسی نے ذرہ برابر حرمت کا بھی انہمار نہ کیا۔ اس نے جو کمرہ لے رکھا تھا وہ دو آدمیوں کے لئے تھا اور فوجر کو یہ معلوم تھا کہ اس کا کوئی اور ساتھی بھی آنے والا ہے۔ فریدی نے راستے ہی میں حید کا تھوڑا بہت حلیہ تبدیل کر دیا تھا اور اب وہ ایک نوجوان کے بجائے چنیتیں چالیں کا آدمی معلوم ہونے لگا تھا۔ اگر اس پر حملہ نہ کیا گیا ہوتا تو شاید فریدی اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا لیکن اب اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ چونکہ حکمہ سراج رسانی کا ذرا سی سور اسے پہچان چکا تھا اس نے اصلی صورت میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

عسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے کے بعد وہ بالکوئی میں آبیٹھے۔

”تو کیا تم جھوٹ سمجھے تھے۔“ فریدی بجھا ہوا سگار نیچے پھینکتا ہوا بولا۔

”لیکن آپ نے مجھے بوڑھا بنا کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔“ حید نے ایک دیڑس پر نظر جائے ہوئے کہا جو قریب سے گذر رہی تھی۔ پھر اس نے اسے روک کر پوچھا کیا یہاں پر نہ ہتری کا تباکو مل سکے گا۔“

”جی نہیں وہ تو نہیں ہو گا۔ کار لٹن اور کیپشن ہیں۔“ دیٹر س نے کہا۔

”کار لٹن تو ہلاکا ہوتا ہے۔ خیر ایک شن کیپشن کا دے جاؤ۔“

”چھوٹا یا بڑا۔“

”چار او نس والا۔ لیکن ذرا...!“ حمید ایک آنکھ دبا کر بولا۔ ”خیر جاؤ۔“

دیٹر س مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

”تم نے شروع کر دیں اپنی حرکتیں۔“ فریدی بہ اسامنہ ہنا کر بولا۔

”کسی حرکتیں! آپ تو خواہ مخواہ جان کو آ جاتے ہیں۔“ حمید نے بھنا کر کہا۔ ”میں نے کسی عورت سے بات کی اور آپ کے دماغ میں زلزلہ آیا۔ پھر کس سے کہتا۔ کیا یہاں کوئی مرد نو کرے۔“

”تم نے اسے آنکھ کیوں ماری تھی۔“

”پھر تو نہیں مارا تھا۔“ حمید جھلا کر بولا۔ اگر آنکھ مارنے سے اس کا پیٹ پھٹ گیا ہو تو میری گردن اڑا دیجئے۔ بھلاہتا یے اب کوئی آنکھ بھی نہ مارے۔“

”تو گویا آنکھ مارنا کوئی بڑا فریضہ ہے۔“

”جی نہیں آپ کی طرف برھچاری ہو جانے میں زروان ہے۔“ حمید طنزیہ لجھے میں بولا۔

یہ بحث تینیں تک پہنچی تھی کہ دیٹر س تمباکو لے کر آگئی۔

”کیوں بھی تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔“ حمید نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی اسے گھورنے لگا۔

”چوٹ....!“ وہ چوک کر بولی۔ ”کیسی چوٹ۔“

”ہم سمجھے شاید تم زینے پر لا کھڑائی تھیں۔“ فریدی جلدی سے بولا۔

”جی نہیں.... نہیں تو۔“

”خیر ہمیں دھوکا ہوا ہو گا۔“ فریدی نے کہا اور دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

حمد نے تمباکو کے دام ادا کئے اور ایک بار پھر اسے آنکھ مار کر رخصت کر دیا۔

”حمد تمہاری شامت تو نہیں آئی۔“ فریدی گز کر بولا۔ ”کم از کم میرے ساتھ رہ کر تم اتنی گری ہوئی حرکتیں نہیں کر سکتے۔“

”بھلا اس میں گراوٹ کی کیا بات ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”میں حق بھیں چانس اور دوں گا۔“

”یہ یقیناً ایک گری ہوئی حرکت ہو گی۔“ حمید قلیخانہ انداز میں بولا۔ ”کیونکہ چانس سے چوت لگتی ہے۔ مہاتما گومت بدھ کا ارشاد ہے کہ ارشادِ احمد، ارشادِ علی اور ارشادِ حسن وغیرہ مسلمانوں کے نام ہوتے ہیں، ہندوؤں کے نامِ رام کھلاوں.... رام....!“

”بکومت۔“ فریدی نے جھنجلا کر اس کا منہ دبادیا۔

”ہوں.... ہوں.... کہیں میک اپ نہ بگڑ جائے۔“ حمید بیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

”خیر بیٹھ گبراؤ نہیں جلد ہی ساری چیک بند ہو جائے گی۔“ فریدی بے بی سے بولا۔

”کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔“ حمید اکڑ کر بولا۔

”نہیں عورتوں کی موجودگی میں تو تم خاصے تمیں مارخان معلوم ہوتے ہو۔“ فریدی نے زہرِ خد کے ساتھ کہا۔

تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید سمجھی سے بولا۔

”توا بکیا پروگرام ہے۔“

”بہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔“ فریدی سگار سلاک کر برفلی چوٹیوں پر نظریں گاڑتا ہوا بولا۔ ”کام کس طرح شروع کیا جائے۔ یہ خود ایک اپنی جگہ پر بہت بڑا سوال ہے۔ ہمارے پاس فی الحال اس اطلاع کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ یہاں سے ناجائز برآمد ہوتی ہے۔“

”اور وہ بھی اس طرح کہ یہاں کا ملکہ سراجِ رسالی بے دست و پا ہو کر وہ گیا ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”کیا تمہارے اس جملے میں کوئی خاص اشارہ پہباش ہے۔“

”اوہ....!“ حمید منہ بکاڑ کر بولا۔ ”یہ ایشیا کا معروف سراجِ رسال جس سے پوچھ رہا ہے۔“

فریدی بہر خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو۔“ وہ تحوڑی دیر بعد بولا۔ ”کہ شروعات اس ڈرائیور سے کی جائے کیونکہ تمہاری آمد کار ازا افشا ہو گیا تھا۔“

”جتاب والا۔“ حمید قدرے جھک کر بولا۔ ”یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔“

”نمیک ہے۔“ فریدی ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”شاید ابھی تک تمہارے ذہن پر لکڑ بھکوں کے

قہقہے مسلط ہیں۔“

”کیوں؟“

”یہ سامنے کی بات صرف اندھے ہی ٹول سکتے ہیں۔“ فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”ڈرائیور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہ ہو گا کہ تم پر کیا گذری۔ ایک اجتنس سے احمد آدمی یہ جانتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کہاں سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام کہاں ہو سکتا ہے۔ غالباً اتنی حکل تو وہ بھی رکھتا ہو گا کہ تمہیں اس دیران مقام پر تھا چھوڑ دیا جانا خالی از علت نہیں الہا السی صورت میں فوراً ہی حلہ کر دیا جانا ذرا ڈرائیور کے سازش میں شریک ہونے کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔“ ”اوہ نہہ! امداد یئے گوئی۔“ حمید آتا کر بولا۔ ”میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں خاصی تفریع رہے گی۔“

”خاصی۔“ فریدی نے کہا اور اپنی نظریں افتق پر گاؤ دیں۔ ”لیکن گذھ واقعی دلچسپی جگہ ہے۔“ مجھے افسوس ہے میں پہلے بھی کبھی یہاں کیوں نہیں آیا۔ یہاں رہ کر آدمی تمن مختلف تہذیبوں سے قریب ہو جاتا ہے۔ تمن ملکوں کی سرحدیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک ہمارا سونا ہڑپ کرتا رہتا ہے۔“

فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ بالکل نیکے دوسرے کنارے پر قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

”بیلو کیپین یاور۔“ ایک نسوالی آواز سنائی دی۔ ”آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔“

”اوہ.... مس رینو کا۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”آئیے آئیے! اڑاٹکار کے لئے نکل گیا تھا۔“

حمد بھی کھڑا ہو گیا اس کے سامنے ایک انہائی حصیں عورت نیلے اسکرٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ عمر چھیس سال تک سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ بڑی بڑی آنکھیں نیلی ضرور تھیں لیکن ان میں کسی جگہ درندگی بھی چھپی ہوئی تھی۔ مسکراتے وقت گالوں پر ہلکے ہلکے گزرے پڑ جاتے تھے۔

”آپ میرے دوست کیپین جلیں ہیں۔“ فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ ”ٹکاری آدمی ہیں اور آپ مس رینو کا ایک بلند پایہ مصور۔ آپکی ایک تصویر اس سال پہر س کی تین لاکووائی نمائش میں جانے والی ہے۔“

”مجھے انہائی سرت ہوئی ہے آپ سے مل کر۔“ حمید اس سے ہاتھ نلاتے وقت قدرے

بھک کربولا۔

"مسٹر رائیل تو نہیں دکھائی دیئے۔" رینو کا نے فریدی سے پوچھا۔ "میں ان کی علاش میں ہوں۔"

"میں نے انہیں کچھ دیر قبل تمبا کو نوشی کے کرے میں دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"معاف کیجئے گا میں غل ہوئی۔" اس نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جبکش دی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور رینو کا حید کے حواس خرے کو جنمبوڑتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

"آپ کا چغرا فی۔" حید نے آہتہ سے کہا۔

"جنماں نے تمہیں بتایا ہے اس سے زیادہ میں خود نہیں جانتا۔" فریدی لاپرواٹی سے بولا۔

"نہ جانے آپ کس پتھر کے بننے ہیں۔"

"ہٹاؤ ہٹاؤ۔" فریدی احتجا جاتا تھا اٹھا کر بولا۔ "میں اس موضوع پر منتقل کرنا نہیں چاہتا۔"

"سورج غروب ہو چکا تھا افق میں پھیلے ہوئے رنگین لہریوں پر سیاہی غالب آتی جاری ہی۔" فریدی تھوڑی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"دگر اج کے درے پر ایک فوچی دست تینات ہے اور وہاں ایک پولیس چوکی بھی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور مناسب راست بھی نہیں ہے۔"

"یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے۔" حید نے کہا۔

"میں اپنا خیال نہیں ظاہر کر رہا ہوں۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "یہاں کے محلہ سراغِ رسالی کی روپورٹ ہے۔"

"تو آپ کب تک اس روپورٹ کو پہنچتے رہئے گا۔" حید اتنا کر بولا۔

"جب تک کوئی خاص کڑی میرے ہاتھ نہ آجائے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" حید احتضا ہوا بولا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

فریدی اسے گھورنے لگا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ حید نے لائیلی پن کے ساتھ اپنے شانوں کو جبکش دی اور نیچے چلا گیا۔ ڈائیگنگ ہال میں برتن کھلک رہے تھے اس کی نظریں بے شمار سروں پر سچھلتی ہوئی اس عورت پر جا کر رک گئیں جس سے فریدی نے تھوڑی دیر قبل تعارف کر لیا تھا۔ وہ ایک ایکثر حرم کے آدمی کے ساتھ ہتھری رہی تھی۔ پھر حید کو وہ لڑکی دکھائی دی جس سے اس نے جمباء کو ملکوایا تھا۔

حیدر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے والی جا رہا تھا کہ دفعتاً باہر شور سنائی دیا۔ دو تین آدمی بھاگ کر اندر آئے ان میں ہوٹل کا چوکیدار بھی تھا۔

”ایک نبی آفت۔“ چوکیدار نے فیجر کے کرے کی طرف بھاگتے ہوئے کسی سے کہا۔ ڈائنسنگ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ چوک کراواڑ اور دیکھنے لگے۔ کچھ تو گھبر اہٹ میں کمزے ہو گئے۔

اور پھر چند لمحے بعد فیجر اپنے کرے سے نکل کر تیزی سے اوپری منزل کی طرف جاتا و کھائی دیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ بقیہ لوگ کھڑکیوں اور دروازوں کے قریب اکٹھا ہو رہے تھے۔

حیدر بولکھلانے ہوئے انداز میں انہیں میں شامل ہو گیا۔ لوگوں کی نظریں مغربی افق پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں پہاڑی سلووں کے پیچے سے ایک تیز ٹم کی نیلی روشنی پھوٹ رہی تھی اور پہاڑوں پر چوٹی چوٹی سیاہ دمبے ریکھتے معلوم ہو رہے تھے۔

”دروازے اور کھڑکیاں بند کرو۔“ بار بند کاؤنٹر پر سے چھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ حیدر نے قریب کمزے ہوئے آدمی سے پوچھا۔

”خبر نہیں صاحب، میں بھی یہاں اجنبی ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

باہر بدستور شور جاری تھا۔ شاید یہ نیچے آبادی کا شور تھا۔ حیدر تیزی سے اوپری منزل کے زینے طے کرنے لگا۔

اوپر بالکونی میں مجھ بڑھ کیا تھا۔ فیجر جیچ جیچ کر لوگوں سے اندر چلے جانے کی درخواست کر رہا تھا۔ ”آخر یہ ہے کیا۔“ کئی آدمیوں نے بیک وقت پوچھا۔

”میں بتاؤں گا۔... لیکن آپ لوگ اندر تو چلئے۔ درخت میں کسی کی موت کا ذمہ دار نہ ہوں گا۔“ لوگ ایک ایک کر کے ہمکنے لگے پھر کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ اس نیلے ہیجان اور موت سے کیا تعلق۔ روشنی لمحہ پر لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور اب تو قریب کے درختوں اور ہوٹل کی دیواروں پر بھی اس کی جھلکیاں دیکھنے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے حیدر کا شانہ دبا کر اسے فیجر کے پیچے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ سب نیچے ڈائنسنگ ہال میں جمع ہو گئے جو لوگ پہلے عیسیٰ سے نیچے تھے ان کے چہروں پر خوف

کے آہار دکھائی دے رہے تھے۔ شائد انہیں پہلے ہی کچھ معلوم ہو گیا تھا۔

فیجر کاؤنٹر کے قریب رک کر مجھ پر نظریں دوڑاتا ہوا اپنی پیشانی سے پیند پوچھنے لگا۔
”کچھ بولو بھی۔“ مجھ سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

”حضرات! فیجر اپنے خلک ہوتوں پر زبان پیغمبر تاہو ایوالا۔“ میں یہ نہیں کہتا کہ آج بھی
کوئی حادث ضرور پیش آئے گا.... ہو سکتا ہے کہ میرا... میرا ہی نہیں بلکہ پورے نیکم گذھ کی
آبادی کا اندریشہ بے بنیاد ہو لیکن احتیاط شرط ہے۔“

”عجیب آدمی ہو.... صاف صاف کہو۔“ کسی نے حیج کر کہا۔

”آج سے چھ ماہ قبل اس طرح سے چنگاریاں اڑتی دکھائی دی تھیں اور کئی بہت بڑے بڑے
شعلے نیکم گذھ کی آبادی میں آگرے تھے جس سے کافی نقصان ہوا تھا اور کئی جانیں بھی ضائع ہوئی
تھیں۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ سرحد پار کے ایک ملک کے سائنسدانوں نے کسی جاہ کن حرਬے
کا تجربہ کیا تھا آپ نے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا ہو گا۔“

”احتیاط کی دم۔“ کوئی شرابی نہیں میں بڑا لیا۔ ”احتیاط کی ماں کی ناک۔“

”آپ لوگ اس وقت برلو کرم باہر نہ لٹکیں۔“ فیجر پھر بولا۔ ”جب تک یہ بیجان فروندہ ہو جائے۔“
پورے ہال میں عجیب طرح کی بھنسناہت گوئی گئی۔ شریبلی کی آولاد بھی تک نتائی دے رہی تھی۔
”بیجان.... سالا.... قیامت تک فروندہ ہو گا۔“ وہ جھومتا ہوا تھا اور درازے کی طرف
بڑھنے لگا۔

”مرٹر میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔“ فیجر تیز لپجھ میں بولा۔

”استدعا کی....!“ وہ پلٹ پڑا۔ ”استدعا کے بیچے بتاؤ میری جان.... استدعا.... الگ....
دعالگ.... تم دعا کرو اور میں اپنے کمرے میں جا کر استدعا کرتا ہوں۔ داہما تھے سلامت ہے تو
کیا پرداہ ہے۔“

”وہ بڑھنے پن سے گاتا ہوا تمباکو نوشی کے کمرے میں چلا گیا۔

”یہ کیا معاملہ ہے؟“ حید نے آہستہ سے فریدی سے پوچھا۔

”خبر نہیں.... لیکن چیز دلچسپ ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”آخر ہم کب تک بند رہیں گے۔“ کسی نے فیجر سے پوچھا۔

"جب تک وہ روشنی ختم نہ ہو جائے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ احتیاط ضروری ہے۔"

"احتیاط کی ماں کی ہاں۔" تمبا کونو شی کے کمرے سے شرابی کی آواز آئی۔

تحوڑی دیر بعد آسمان پھر پہلے کی طرح صاف ہو گیا اور تمام دروازے کھول دیے گئے۔

قرب و جوار میں کہیں کوئی حادث نہیں ہوا تھا۔

فریدی بہت زیادہ خاموش نظر آ رہا تھا۔ اس نے اس کے متعلق کسی سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی۔

حید اسکے اس روئے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اس کی دانست میں یہ حیرت کی بات تھی ایسی عجیب و

غیریب بات سامنے آئے اور فریدی خاموش رہ جائے۔ یہ اس کی فطرت کے سراسر خلاف تھا۔

وہ دونوں کھانا کھا پکنے کے بعد پھر بالکوئی میں آئیں گے لیکن اس وقت وہ یہاں تھا نہیں تھے۔

ابتدہ فریدی نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جو سب سے الگ تھا۔

"آخریہ کیا تھا؟" حید نے پھر پوچھا۔

"ماں رہا ہو گا کوئی ڈھونگ۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"ڈھونگ تو میں اس وقت سمجھتا۔" حید نے پانپ میں تمبا کو پھرتے ہوئے کہا۔ "جب لو۔"

اُسے کوئی ماقبل الفطرت چیز سمجھنے پر مصروف ہوتے۔

"ہو گا کچھ۔" فریدی سگار سلاگا تا ہوا بولا۔ اس کے لمحے سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اس

موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ حید کی نظریں انہیں پہاڑوں کی طرف اٹھی ہوئی

تھیں۔ جدھر کچھ دیر قمل نلی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتا پھر نلی روشنی کا ایک جھاما کا ساہوا

اور لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسی طرح تھوڑے تھوڑے دتفے کے بعد کئی بار جھاما کے

ہوئے اور پھر ساری پہاڑیاں نلی روشنی سے نہا گئیں لوگ پھر انہوں اٹھ کر اندر کی طرف بھاگنے

لگے۔ فریدی اور حید نے بھی ان کی تھیکید کی۔ لیکن بیچھے ہال میں بیچھ کر حید نے محسوس کیا کہ

فریدی اس کے ساتھ نہیں ہے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

ہال کے سارے دروازے بند کر دیے گئے تھے۔ کھڑکیاں بھی بند تھیں اور لوگ سبھے بیٹھے تھے۔

حید نے رینو کا کو دیکھا جس کی آنکھیں نئی میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ بار بار اپنے ساتھی کے

شانے پر سر رکھ دیتی تھی۔ حید اس طرح منہ بنانے لگا جیسے نادانشگی میں کوئی کڑوی کسلی چیز کھالی

ہو۔ قریب تھا کہ اس کا دماغ بک جائے اسے یاد آیا کہ فریدی موجود نہیں۔ اس نے پھر ادھر

اُدھر نظریں دوڑائیں۔ یک بیک اُسے کچھ خیال آیا اور وہ اس کمرے کی طرف پکا جس میں وہ دونوں مقیم تھے۔ کرہ بھی خالی ملا۔

تحوڑی دیر میں اس نے پوری عمارت چھان باری لیکن فریدی نہ ملا۔ آخر وہ پھر تھک ہار کر ڈائیگ پال میں آبیٹھا۔ روشنی اب اتنی تیز ہو گئی تھی کہ دروازوں اور کھڑکیوں کی درزوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اب خوف کے پہلے سے آہار نظر نہیں آ رہے تھے لوگ شراب یا کافی پر ٹوٹ پڑے تھے۔

رینو کا اپنی میز پر تھا تھی اس کی نشے سے بو جمل پکلیں جھلکی جاری تھیں کبھی کبھی وہ آنکھیں چھاؤ کر صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ ”اڑے! اڑے۔“ کئی آوازیں ستائی دیں اور کچھ لوگ دروازے کی طرف پکے۔ حمید بھی ان کے پیچھے تھا۔ رینو کا ساتھی اُسے اندر کھینچ لایا۔ وہ نشے میں نہ جانے کیا کیا بک رہی تھی۔ پھر نیلی روشنی کے درمیان سے ایک ہوائی سی چھوٹی اور فضا میں چنگاریاں بکھیرتی ہوئی ہوٹل کی عمارت پر سے گذر گئی اس کا رخ شرق کی طرف تھا۔ کہیں دور شور ستائی دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

سفید حادثہ

حمد رات بھر جاگتا رہا۔ فریدی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اگر حمید شیکم گذھ میں نووارد نہ ہوتا تو شاید کبھی کافریدی کی حلاش میں نکل گیا ہوتا۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر ایک عجیب تم کا خوف مسلط تھا، جسے موت کا خوف نہیں کہا جاسکتا۔ یونہی بس بے نام سا ایک خوف۔ آبادی سے کسی حادثے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ہوائی آبادی میں نہیں گری تھی۔ بلکہ اسے کسی نے گرتے ہی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سید گھی مغرب سے مشرق کی طرف چلی گئی تھی۔

تقریباً چار بجے فریدی آیا اس نے اپنا کوٹ انداز سے پر ڈال رکھا تھا اور ستائی کی گردھینے پر جھول رہی تھی۔ بال پر بیشان تھے۔ گھنٹوں پر چلنے ملی ہو رہی تھی اس پر گھاس کے ہرے ہرے دبے بھی تھے۔

اس نے آتے ہی کوٹ ایک طرف اچھال دیا اور خود آرام کری پر گر کر ہائے لگا۔

”اس جلے میں آپ صدر دروازے میں داخل ہوئے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔
”نہیں چھپلی دیوار چھلانگ کر بیہاں تک پہنچا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن جلدی
کرو۔ میرا سلپینگ سوت کہاں ہے۔“

اس نے جلدی جلدی کپڑے اتار کر سلپینگ سوت چکن لیا اور اتارے ہوئے کپڑے ایس
تلے میں باندھ کر باہر نکل گیا جب وہ چند لمحوں کے بعد داپس آیا تو خالی ہاتھ تھا۔
”چلو! ایٹ جاؤ۔۔۔ بستر پر اور سونے کی کوشش کرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا اور اپنے بستر
پر دراز ہو گیا۔

”آخر کیا بات ہے۔“

”چپ چپ! مٹری کے کچھ سپاہی میرے تعاقب میں ہیں۔ ممکن ہے بیہاں کی ٹلاٹی لی
جائے۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔

”اوہ....!“ حمید معنی خیز نظروں سے سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن کپڑے کہاں چھپائے۔“
”تالے میں.... وہاب تک کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہوں گے۔“

دو توں خاموش ہو گئے۔ چند ہی ٹالے یہ بعد دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی
دیئے گئیں۔ لکڑی کی عمارت بھاری بھر کم جو توں کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ حمید آنکھیں
ملنے لگا تاکہ اگر اس کرے کی بھی ٹلاٹی ہو تو آنے والے سبھی سمجھیں کہ وہ اچانک جاگا ہے۔
تحوڑی دیر بعد کسی نے ان کا دروازہ بھی چٹا۔ حمید چپ چاپ دم سادھے لیٹا رہا۔ دروازہ
بدستور پیٹا جا رہا تھا۔

”کون ہے؟“ فریدی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ بھر بڑا تا ہوا انہے بیٹھا۔ ”کیا یہودی ہے۔
میں نے اتنا ذلیل ہو ٹل آج تک نہیں دیکھا۔“

پھر اس نے بھل جلا دی۔ حمید بھی اٹھ بیٹھا تھا۔ فریدی نے دروازہ کھول دیا ایک لیفٹینٹ دو
سپاہیوں کے ساتھ اندر گھس آیا اس نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا! پھر اور دیکھنے لگا۔
”اس کا مطلب....!“ فریدی گرج کر بولا۔

”شور مت چاؤ! ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی ٹلاٹی ہے۔“ لیفٹینٹ نے کہا۔

”مٹ آؤ۔“ فریدی طلق کے مل چیختا۔ ”ورثہ نہ کو کمر نکال دوں گا۔ تمہارے جیسے سکنڈ

لیفٹینٹ میرے بوٹ صاف کرتے ہیں۔"

"شٹ آپ۔" لیفٹینٹ گر جا۔

انتے میں ہوٹل کا فنگر بھی آگیا۔

"اوہ کیپشن صاحب۔" وہ فریدی کی طرف منہ کر کے بولا۔ "بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک مشتبہ آدمی کو ہوٹل کی دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"اور اب وہ مشتبہ آدمی ہماری چیزوں میں آچھا ہے۔" فریدی نے ٹھریہ لجھے میں کہا۔ "میں نے اتنا ذیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا اور لیفٹینٹ صاحب یہ آپ کس کے حکم سے شریف آدمیوں کے دروازے پہنچنے پر رہے ہیں۔ یہ جگ کازمانہ نہیں ہے اور پھر آپ کو تلاشی لینے کا حق کب پہنچتا ہے۔ دارث ہے آپ کے پاس۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" لیفٹینٹ کے لجھے میں ہچکا ہٹ تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی جھپٹ جلا کر بولا۔ "میں ابھی تمہارے یونٹ کاٹر کو فون کرتا ہوں۔ غالباً تم وکراج کے درے والے دستے سے تعلق رکھتے ہو۔"

"بات تو نہیں۔"

"اگر تمہیں کوئی مشتبہ آدمی دکھائی دیا تھا تو تمہیں ہوٹل کا محاصرہ کرنے کے بعد مقامی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔ تم کس طرح تھس پڑے۔ کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ۔"

"چار....!"

"بیتہ دو کھاں ہیں۔"

"دوسرے کروں میں، تلاشی لے رہے ہیں۔"

"اوہ دروازہ خالی ہے! بہت اچھے! کیا کار گذاریاں ہیں۔ مجھے جاتا یہ کہہ بھی حاضر ہے۔" وہ تینوں ادھر اور ہر دیکھ کر جانے لگے۔

"ٹھہریے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ کو شہر ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے یا مستقل طور پر بہاں رہتا ہے۔"

"ہاں! اور نہ وہ بہاں گھنے کی ہمت ہی نہ کرتا۔" لیفٹینٹ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر بلاؤ کر بولا۔ "اس کی شکل دیکھی تھی۔"

"نہیں۔"

"دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"ہاں....!"

"تو پھر فائز کیوں نہیں کیا۔"

لیفٹینٹ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کس بات کا شہر تھا اس پر۔"

"اس سے آپ کو کیا سروکار۔" لیفٹینٹ نے جھلا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

فریدی نے دروازہ بند کرتے وقت پلٹ کر حمید کو آنکھ ماری.... اور شرارت آمیز انداز میں مسکراتے لگا۔

"یہ کیا وہاچوڑی تھی۔"

"چھوڑو یار۔ خواہ تجوہ ایک سوت ضائع ہو گیا۔ میں اسے اتنا ذیوٹ نہیں سمجھتا تھا۔"

"لیکن یہ لوگ کس طرح اور کہاں سے آپ کے پیچے لگ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہ پوچھو۔" فریدی بیٹھ کر سگار سکانا ہوا بولا۔ "بہر حال یہ سوچنا فضول ہے کہ سرحد

کے نکھانیں غافل رہتے ہیں۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"یاد تم بعض اوقات بھیجا چاٹ جاتے ہو۔ میں وگراج کے درے کی طرف نکل گیا تھا۔ مجن
یہ دیکھنے کے لئے کہ نکھانیں کس موڑ میں ہیں۔ تم نے ابھی وہ جگہ نہیں دیکھی۔ کچھ اسی الشی
سیدھی چنانیں ہیں کہ پوری پلنٹ ان کی اوٹ لیتی ہوئی سرحد پار کر جائے اور کسی کو کانوں کا ن خبر
نہ ہو۔ لیکن اس وقت دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نکھانیوں کی عقابی آنکھوں سے ایک آدمی بھی چھپ
نہیں سکتا۔ نہ جانے انہوں نے کب مجھے دیکھ لیا۔"

"پھر....!" حمید بے چینی سے بولا۔

"پھر کیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم خود سوچ سکتے ہو کہ ہمارا سونا کس طرح سرحد پار کرتا ہے۔"

"اُنکی حالت میں تو واقعی تعجب خیز ہے۔"

"خیز.... خیز چھوڑو۔ اس پار بڑا لطف رہے گا۔" فریدی بستر پر لیٹ کر چادر کھینچتا ہوا بولا۔

”پانچ بج رہے ہیں کچھ نہ کچھ تو سونا ہی چاہئے۔“

حید ابھسن میں ضرور جتنا ہو گیا تھا۔ لیکن نیند کے بو جھ سے دبے ہوئے مٹھل دماغ نے کسی قسم کی خلش گوارانہ کی اور بہت جلد بے خبر ہو گیا۔

اور پھر جب وہ فریدی کے جنجنہوڑ نے پر اخفا تو میز پر رکھی ہوئی نائم پیس نوبجوار ہی تھی۔ ”نوہی تو بجے ہیں ابھی۔“ حید دوبارہ لینتا ہوا بولا۔

”تو اخخارہ تو بھی نہیں بھیں گے۔“ فریدی نے اسے سیدھا کر دیا۔

حید اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھورنے کی کوشش کرنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ مجھے قبر سے بھی اکھاڑا لائیں گے۔“ حید جھلا کر بولا۔

”بشرطیکہ تمہاری لاش پوست مارٹم کے بغیر دفن کر دی گئی۔“ فریدی سگار سلاکتا ہوا بولا۔

”وہ رہا تو یہ..... اور عسل خانہ ادھر ہے جلدی کرو ورنہ قبل از وقت بوڑھا کر دوں گا۔ اس

وقت میرا مودہ بہت خراب ہے۔“

حید اسے گھورتا ہوا پاپ اپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”ایک حرمت انگلیز خبر ہے۔ حید صاحب! انتہائی حرمت انگلیز۔“ فریدی مختصر بات انداز میں بولا۔

حید اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

”وگراج گھاٹ پر اسی مقام پر ایک لاش پائی گئی ہے جہاں کل رات کو میں چھپنے کی کوشش

کر رہا تھا۔“

”بڑی حرمت انگلیز خبر ہے۔“ حید طنزیہ انداز میں بولا۔ ”یہ لاش کیا چیز ہوتی ہے فریدی صاحب؟“

”اگر سید حمی سادھی لاش ہوتی تو میں تمہیں طفر کرنے کا موقع نہ دیتا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”لیعنی.....!“

”لیعنی یہ کہ جو مرنے سے قبل چیس یا ستائیں سال کا تھا مرنے کے بعد اسی سال سے کم کا

معلوم نہیں ہوتا۔“

حید تھیر ان انداز میں فریدی کو دیکھنے لگا۔

”یہاں کے محلہ سراغِ رسانی کا سرجنت ریمش جس کی عمر ستائیں برس سے زیادہ نہیں

تھی۔“ فریدی پھر بولا۔

”تو پھر....!“

”مرنے کے بعد اس کے جسم کے روئیں تک سفید ہو گئے ہیں۔ حدیہ کہ پکلوں کے بال بھی۔“
”مرا کس طرح۔“

”یہ ابھی تک پر دہ رازی میں ہے۔“

”آپ لاش دیکھ آئے ہیں۔“

”نہیں۔“

”جب تو یہ ایک شاندار غب معلوم ہوتی ہے۔“ حمید تو یہ کا ندھے پر ڈال کر اٹھتا ہوا بولا۔
”میں نے بھی پہلے اسے غب ہی سمجھا تھا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن ابھی نصرت
صاحب نے بھی مجھے فون پر اس کی اطلاع دی ہے۔“
”نصرت صاحب۔“

”ہاں ہاں.... یہاں کے محلہ سراغ رسانی کے پر نندھٹ۔“

”جب تو واقعی حیرت ہے۔“

”ہم وہیں چل رہے ہیں جلدی کرو۔“

دو سبجے وہ دونوں کو تو ای کی طرف روانہ ہو گئے کو تو ای کے سامنے اتنی بھیز تھی کہ ٹرینیک
رک گیا تھا۔ وہ دونوں کسی نہ کسی طرح پھاٹک تک پہنچ یہاں پہرے داروں نے انہیں روکا۔
پہرے دار اس کے اشارے پر ایک طرف ہٹ گیا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔

اندر بھی خاصی بھیز تھی۔ دو ایک آفسروں نے انہیں گھور کر دیکھا۔ لیکن محلہ سراغ
رسانی کا پر نندھٹ سمجھ نصرت انہیں دیکھ کر ان کی طرف بڑھا۔

”پہلو کیپشن یاور....!“ اس نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ غالباً اس عجیب و غریب
حادثے کی خبر آپ کو یہاں سمجھ لائی ہے۔ آپ کی تعریف۔“

”میرے دوست کیپشن جلیس۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”میں لاش دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”آپ کیپشن یاور سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمائندے ہیں۔“ سمجھ نصرت نے ذی۔ ایس۔ پی
ٹھی سے کہا جو قریب ہی کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔

”اوہ....!“ وہ فریدی سے ہاتھ ملا کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

”پھر وہ اس کرے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں لاش رکھی ہوئی تھی۔

لاش پر سے چادر بٹتے ہی حمید کی آنکھیں جھرت سے پھیل گئیں۔ چہرہ واقعی جوانوں کا ساتھا مگر سر کے بال۔ بھوئیں پکلیں سب سفید برف کے گالوں کی طرح بے دلخ۔ کرے میں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فریدی خور سے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا اس نے مرنے والے کا داہنہا تھا اسما کر کچھ دیکھا۔ پھر بے چینی سے اپنی جسمیں ٹوٹنے لگا۔

”ایک محبد شیشہ چاہئے۔“ اس نے نصرت سے کہا۔

”محبد شیشہ... اچھا۔“ میجر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”مگر میرا چند بیک وہ تو

سینک ہو گا۔“

وہ پھر لوٹ پڑا اور چھوٹی سی میز پر رکھا ہوا ایک چند بیک کھولنے لگا۔

”ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کیس کے متعلق!“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”بھی میں نے تو آج تک نہ دیکھا ہے۔ بعض ضعیف الاعتقاد سے کوئی شیطانی حرکت کیجئے ہیں۔ رات والی نسلی روشنی..... آپ کو اس کا حال معلوم ہوا؟ غالباً آپ نے بھی دیکھی ہو گی۔“

”مجھے معلوم ہے! لوگوں کے خیال کے مطابق وہ مسایہ ملک کے کسی تباہ کن حرثے کا تجربہ تھا۔“

”چنگاریوں کی وہ بوجھاڑ بھی دیکھی تھی آپ نے جس کا رخ شرق کی طرف تھا۔“ میجر

نصرت نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کا رخ و گراج کے درے ہی کی طرف تھا۔“

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ریسیش اس حرثے کا تباہ ہوا گیا ہے۔“ میجر نصرت بولا۔

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر کی کیا رائے ہے؟“

”صحیح حال تو پوست مارٹم کے بعد ہی معلوم ہو گا۔ ویسے سول سر جن کی رپورٹ کے مطابق

موت اچانک دورانِ خون بند ہو جانے سے واقع ہوئی ہے۔“

”اور گالوں کی سفیدی؟“

”اس بارے میں پوست مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو گا۔“

”ہوں....!“ فریدی دوبارہ لاش پر جھکتا ہوا بولا۔ ”شیشہ“

میجر نصرت نے محبد شیشہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ فریدی لاش کے دامنے ہاتھ کی

الگیوں کو محب شیشے کی مدد سے دیکھنے لگا۔

دفلات حمید نے اس کے چہرے پر آسودگی کے آثار دیکھے پھر فریدی نے اپنے ہونٹ سکوڑے اور پر خیال انداز میں سید حاکم را ہو گیا اور مجرم نصرت کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔
”پوست مارٹم کی صحیح رپورٹ کا علم صرف آپ اور سول سر جن تک محدود رہتا چاہئے۔“
فریدی نے کہا۔

”کیوں....؟“ مجرم نصرت چونک کر بولا۔

”رمیش ڈیوٹی پر ہی تھا۔“

”ہاں....!“

”وگراج کے درے پر....!“

”ہاں....ہاں!“

”تو ایسی صورت میں اے۔ کی موت کا تعلق ان واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جن کے سلسلے میں میں یہاں طلب کیا گیا ہوں۔“ فریدی نے محب شیشہ مجرم نصرت کو واپس کرتے ہوئے کہا۔
”اوہ....! مگر....!“

”آپ اس کے متعلق سول سر جن کو پہلے ہی سے بتا دیجئے! باقاعدہ طور پر آپ کو جو رپورٹ ملے وہ گول مول جسم کی ہوئی چاہئے۔ مثلاً یہ کہ موت پر اسرار طریقے پر ہوئی یا اچانک دورانی خون بند ہو جانے کی بنا پر ہوئی یا کوئی اور بات بہر حال حقیقت چھپائی ہے۔“

بوجھی لاش کا راز

بوجھی مجرم نصرت تجیر آئیز انداز میں فریدی کو گھور رہا تھا اور فریدی لاش پر پھر جک گیا تھا۔
اس نے اس کے سارے جسم کے کپڑے الگ کر دیئے تھے اور غور سے ایک ایک حصے کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس پر چادر ڈال دی۔

”کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہیں۔“ مجرم نصرت نے پوچھا۔

”مجی ہاں! ایک نہایت معمولی بات ہے! آپ ان الگیوں پر یہ نشان دیکھ رہے ہیں۔“ فریدی

نے متوفی کا داہنہا تھج چادر سے نکالتے ہوئے کہا۔
میجر نصرت نے پر خیال انداز میں سر ہلاایا۔

”یہ کسی چیز کے جلنے کے ہیں۔“

”قسطی..... لیکن۔“

”خبیر ہے۔“ فریدی نے پھر اس کے ہاتھ سے محبوب شیشہ لے لیا اور اگلیوں کو دیکھنے لئے۔

”وزرا و حر آئیے اور دیکھئے۔“

میجر نصرت محبوب شیشہ پر جھک گیا۔ فریدی بولتا رہا۔ ”نشان جلنے ہی کا ہے اور نہی طرح
جلنے کا۔ لیکن کیا یہ آگ سے جلا ہے؟“

”ظاہر ہے۔“ میجر نصرت سر ہلا کر بولا۔ ”سی دجہ ہے کہ نیلی روشنی۔“

”نیلی روشنی کو فی الحال الگ ہی رکھئے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وہ چنگاریاں بکھیرتی
ہوئی ممکن ہے جلا سکتی ہو۔ لیکن کسی جوان کو بوجھا نہیں کر سکتی۔“

”پھر ا تو کیا یہ داغ ہی بالوں کی سفیدی کی وجہ ہیں۔“ میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔
”میرا تو یہی خیال ہے۔“

”اگر آگ نہیں تو پھر کس چیز کے ہو سکتے ہیں۔“

”ریڈیم۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ریڈیم۔“

”جی ہاں! اس سے ممتاز شدہ کوئی اور دعاء۔ بیجان اور روشنی پھیلانے کا ایک طریقہ۔“

میجر نصرت فریدی کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی باتوں پر یقین نہ آیا ہو۔

”پوسٹ مارٹ کی روپورٹ ہی سب کچھ بتادے گی۔ ڈاکٹر کی توجہ ان داغوں کی طرف خاص
طور سے مبذول کر دے گا۔ لیکن رازداری ضروری ہے۔ حقیقت صرف ہم چاروں لکھ ہی
حمدودر ہی چاہئے۔ ہم ایک بہت خطرناک گروہ سے دوچار ہیں جس میں دہشت پسندوں کے علاوہ
کچھ بہترین دماغ بھی موجود ہیں۔ یہ میرے ساتھی سرجنت حمید ہیں۔ آپ نے انہیں انتہائی
پوشیدہ طور پر بلوایا تھا لیکن پھر بھی ان پر حملہ کیا گیا۔“

”کب اور کس طرح۔“ میجر نصرت چونک کر بولا۔

فریدی نے سارے واقعات مختصر الفاظ میں دہرا دیئے۔

"حیرت انگیز! انہائی تجوب خیز۔" میجر نصرت آہستہ سے بڑا بڑا۔ "ڈرائیور حقیقتاً ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ میرے مجھے کا ایک ڈپٹی پر شنڈٹ ہے۔"

"معاف کیجئے گا۔" فریدی نے خلک بچھے میں کہا۔ "میں خاص طور سے اُس کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھے میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو اس گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہے۔"

"میں بُر انہیں مانتا۔" میجر نصرت نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہمارے ناکارہ پن کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ باہر سے مدد لئی پڑی۔"

"دیکھئے آپ پھر غلط کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں اور آپ مجھ سے زیادہ جہانگیر ہیں۔ باہر سے آپ کو محض اس لئے مدد لئی پڑی ہے کہ آپ کے مجھے کے راز ظاہر ہو جاتے ہیں۔ بھلا اس میں ناکارہ پن کو کیا دخل! اخیر آئیے میں زیادہ دیر تک یہاں نہبہڑا نہیں چاہتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے لئے میں کہ آپ کو فون کر دوں۔ مگر نہیں.... یہ بات فون پر بھی نہ ہوئی چاہئے۔ خیر میں خود یہ کسی نہ کسی طرح آپ سے مل لوں گا۔"

کو توالی سے واپسی پر حمید نے فریدی کو چھیڑا۔

"آپ واقعی اس قابل ہیں کہ آپ کو کسی فریم میں لگا کر کسی زیارت گاہ میں رکھ دیا جائے۔" "کیوں؟"

"آج سے پہلے مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سائنٹسٹ بھی ہیں۔"

"سائنٹسٹ وائنسٹ کچھ خاک بھی نہیں۔" فریدی سگار سگانا ہوا بولا۔ "البتہ میرے ذہن کی تربیت خاص اصولوں کے تحت ہوئی ہے۔"

"ڈراؤنہ اصول بھی بتا دیجئے۔"

"ختم بھی کرو۔ اس وقت میرا دماغ بہت الجھا ہوا ہے۔"

"صرف اتنی سی بات اور بتا دیجئے کہ آپ کا اندازہ غلط ثابت ہوا تو۔"

"تو میں سمجھوں گا کہٹی۔ ایس۔ اسڑیںگ جاں اور نکھاہے۔"

"میا مطلب....!"

”مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس کے ایک سائبنس کشن میں اس قسم کا ایک کیس پڑھا تھا۔“ فریدی نے ہس کر کہا۔

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ”اگر آپ نے بہرام کی خالد کی ناک پڑھی ہوتی تو بہتر تھا۔“

”خیر چھوڑو! یہ بتاؤ کہ عام حالات میں قدرتی طور پر کیوں بال سفید ہو جاتے ہیں۔“

”بڑھاپے کی وجہ سے۔“ حمید ترے بولا۔

”بڑھاپا کیسے آتا ہے؟“

”اللہ کے حکم سے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ نہ جانے کیوں اس وقت خلک قسم کی باتوں سے کترانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تم دھکے کیوں لکھا رہے ہو۔“ فریدی جھینچلا کر بولا۔

”آپ کی عنایت اور اپنی شامت سے۔“

”تمہارے دونوں کان اکھاڑ کر منہ میں رکھ دوں گا۔“

”اچھا ہے بڑھاپے میں عینک کے دام بچیں گے۔“

”اڑے حمید کے پچھے۔“

”غلط نہ ہے آپ نے والد صاحب کا نام وحید ہے۔“

”شٹ آپ...!“

”فاسفورس اور ریڈیمیم میں کیا فرق ہوتا ہے۔“ حمید نے انہائی مخصوصیت سے پوچھا۔

”وہی جو تم میں اور گدھے میں ہے۔“

”عزت افرانی آپ کی۔“ حمید رکتا ہوا بولا۔ فریدی بھی رک کر اسے گھورتے لگا۔

”اب کیا مطلب ہے۔“

”میں اس فرق کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہوں۔“

”حمد فضول باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”خود میری بھی بھی کیفیت ہے۔“

”تو جاؤ جنم میں۔“ فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”نہ بھریے فرق سمجھ میں آگیا۔“ حمید پھر چلنے لگا۔ ”کوئی گدھے والا کسی ازیل گدھے کو جہنم کے پرد کر کے آگے نہیں بڑھ جیا کرتا.... یعنی میں گدھے سے بھی بدتر ہوں.... یعنی.... یہ کہ آپ....!“

”یار خدا کے لئے چپ رہو۔“

”اب آئے ہیں راہ پر.... ٹلنے چپ ہو گیا۔“

وہ دونوں بازار سے گذر رہے تھے۔ یہاں بڑی بڑی اور شاندار عمارتیں نہیں تھیں۔ زیادہ تر لکڑی کی ہی عمارتیں نظر آرہی تھیں لیکن ان میں بھدی ایک بھی نہ تھی۔ طرح طرح کے رنگ و روغن استعمال کر کے انہیں خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک جگہ لکڑی ہی کا ایک کلاک ٹاؤر بھی دکھائی دیا، جو زیادہ بلند نہیں تھا۔ لیکن اس پر اتنی نیس نھاشی کی گئی تھی کہ تصویر معلوم ہو رہا تھا۔

”آخر یہاں کے لوگوں کو لکڑی سے کیوں اتنی محبت ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اویں!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”لکڑی.... بات دراصل یہ ہے کہ یہاں آئے دن زیر۔ لے آتے رہتی ہیں۔“

”خدا کرے ہمارے دوران قیام میں بھی آئے۔“

”کیوں....؟“

”میں نے آج تک زلزلہ نہیں دیکھا۔“

”کیوں بیٹھ کیا اس بھیاںک جریے کا زلزلہ بھول گئے؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔ لیکن پھر یہ بیک سمجھدہ ہو کر حمید کو گھورنے لگا۔ ”تم پھر بولنے لگے۔“

”بیں ایک آخری بات اور....!“ حمید ایک ریستوران کی طرف مرتا ہوا بولا۔ ”مجھے بھوک لگ رہی ہے۔“

حقیقت تو یہ تھی کہ اس ریستوران میں حمید کو ایک جانی پہچانی صورت نظر آئی تھی یہ رینو کا تھی اور ایک میز پر تھا پیشی غالباً لفخ کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ میتوں اس کے ہاتھوں میں تھا۔ فریدی چپ چاپ ریستوران میں داخل ہو گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب حمید کے لگام لگنی مشکل ہے۔

”اوہ کیپن یاور!“ رینو کا انہیں دیکھ کر مسکرائی۔ ”اس طرف نہیں اس میز پر آئے! میں سچ سچ سے آپ کی حلاش میں تھی۔“

فریدی طوبہ اور کہا اسی میز کی طرف بڑھا۔ حمید اُس سے دو قدم آگے تھا۔

کھانے کے دوران میں اس حرمت انگیز لاش کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی۔

”مجھے تو یقین نہیں آتا۔“ رینو کا بولی۔ ”تو گ عموماً رائی کے پہلا بنا لایا کرتے ہیں۔“

”میں خود دیکھ کر آرہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن میں نے تو سنائے کہ کو تو اسی میں اس وقت داخلہ بند ہے۔“

”خبرداری نہ سندوں پر کوئی پابندی نہیں۔“ فریدی نے کھاتے کھاتے سر اٹھا کر کہا۔ ”آپ لفج کے بعد چائے چینتی ہیں یا کافی؟“

”کافی! لیکن بڑی حرمت کی بات ہے اگر آپ دیکھ کرنے آئے ہوتے تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔“

”اور میں واقعی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا ایک غلط راستے پر نکل آئی ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”ہمارے آباؤ اجداؤ حق نہیں تھے۔“ فریدی لفج ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا

بول۔ ”انہوں نے یقیناً روشنیں دیکھی ہوں گی بدارواج کے متعلق ان کا خیال غلط نہیں تھا۔“

”چیچی.....“ رینو کا نہ ہراسانہ بنا لیا۔ ”میں آپ کو بہت روشن خیال سمجھی تھی۔“

”روشن خیال اپنی جگہ اور ایسے حقائق اپنی جگہ جن سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکا۔“

فریدی سگار سلاکا تا ہوا بولا۔ پھر بیرے کو کافی کا آرڈر دے کر کری کی پشت سے نک گیا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے وہ لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوتی تو اس

حادثے کو محض ایک شامیار غب سمجھتا۔ مگر ایسی صورت میں میری روشن خیالی کس طرح برقرار رہ سکتی ہے۔“

”تو آپ بدارواج کو کیوں درمیان میں لاتے ہیں۔“ رینو کا نہ ہراسانہ کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ کل رات والی نسلی روشنی کا شکار ہوا ہو۔“

”بس ایک آدی! اگر ایسا ہوتا تو دو چار اور بھی شکار ہوتے۔“

”مس رینو کا۔“ حمید میز پر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”آپ یاور کو قائل نہیں کر سکتیں جب

کہ وہ ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہے۔“
”یعنی....؟“ رینو کا مسکرا کر بولی۔

”وہ عورت اسے گوشت پوسٹ میں چلتی پھر تی دکھائی دیتی ہے۔ دوسرے اس کے دیدار سے محروم رہتے ہیں اور یہ اس سے گھنٹوں باتمیں کیا کرتا ہے۔“
فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے حمید کی اس بکواس کی تردید نہیں کی!
اس کا رو یہ دیکھ کر حمید اور بھی سنجیدہ ہو گیا۔

”جب یہ دس سال کا تھا....“ حمید اپنے پاپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ”اس وقت وہ جوان تھی۔ ایک دن اپنی چھت سے گر کر مر گئی۔ تبھی سے یہ اُسے دیکھ رہا ہے اس پر بڑی طرح مر رہے اور وہ بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ پچھلی عالمگیر جگ میں اسے اٹلی میں ایک حادثہ پیش آ جاتا ہے اور اس حسین روح نے اسے پہلے ہی سے اس کی اطلاع کروی تھی۔ لہذا یہ صاف نئے لکھا وہ مصیبت کے وقت ضرور اس کے کام آتی ہے۔“

رینو کا سوالہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھیں اس دوران میں خوفناک ہو گئی تھیں اور ان میں کچھ ایسی دیرانی نظر آ رہی تھی جیسے وہ سامنے والی دیوار کے پیچے کچھ دیکھ رہا ہو۔ فریدی کے ہوتث آہتہ آہتہ ہٹنے لگے تھے پھر اس کی سر گوشی سنائی دی۔ ”وہ آگئی سلیمانی میری جان۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے نیند کی حالت میں چل رہا ہو۔ رینو کا نئے اٹھ کر اسے روکنا چاہا لیکن حمید نے ہاتھ پکڑ کر اُسے بخادا یا۔ ”اس وقت اسے چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں۔ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔“

رینو کا بینہ گئی لیکن اس کی خوفزدہ آنکھیں اس دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جس سے فریدی باہر گیا تھا۔ پھر وہ پہنچی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ حمید ووسرے ہی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر فریدی نے یہ حرکت کیوں کی۔ اس نے تو محض اُسے چڑھانے کے لئے ایک بے پر کی اڑائی تھی۔ فریدی نے اسے حقیقت کا رگ کیوں دے دیا۔ مگر یہ الجھن زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ ایک دوسرے خیال ڈہن کے کسی گوشے سے ابھر آیا تھا فریدی نے ان دونوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ حرکت کی تھی اور اب حمید کو کھانے کی قیمت اپنے ہی جیب سے ادا کرنی

پڑے گی۔

”کیپن یا در کہاں کیا ہو گا۔“ رینو کا نے خوفزدہ لمحے میں پوچھا۔

”جنم میں۔“ حمید بے خیالی میں بولا۔ لیکن پھر چوک کر کہنے لگا۔ ”کیا پوچھا تھا آپ نے۔“

”آپ کا دوست کہاں گیا ہو گا۔“

”خدا بہتر جانتا ہے۔“

”تو کیا حقیقتاً وہ عورت اُسے دکھائی دیتی ہے۔“

”میں نے بتایا کہ اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دکھائی دیتی۔“ حمید آتا کر بولا۔ اس کی الجھن بڑھ گئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت اس کے پرس میں دس بارہ روپوں سے زیادہ نہیں تھے وہ سوچ رہا تھا کہ اگر مل زیادہ کا ہوا تو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

”کیا سوچ رہے ہیں آپ۔“ رینو کا نے پوچھا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اگر اس وقت کسی موڑ سے نکلا کر مر جائے تو کتنا اچھا ہو۔“

”کیوں؟“ رینو کا چوک کر بولی۔

”کچھ نہیں یو نہیں.... وہ اپنے گمراہ الوں کے لئے عذاب بنا ہوا ہے۔“

”بیوی بچے ہیں۔“ رینو کا نے پوچھا۔

”اس نے شادی ہی نہیں کی.... لیکن بچے کئی عدد ہیں۔“

”میں....!“

”مجی ہاں.... اس نے ایک یتیم خانہ کھول رکھا ہے۔“

”آپ نہ جانے کیا اوت پنگ ہاگ رہے ہیں.... کیا آپ بھی....!“

”مجی ہاں میں بھی۔“ حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ دیگر مل لایا اور یہ دیکھ کر حمید کی جان میں جان آئی کہ وہ دس روپے کچھ آنے کا تھا۔ اس نے مل ادا کر دیا اور اب رینو کا اسے پہلے کی طرح حسین لگ رہی تھی۔

”چھوڑیے بھی! وہ کچھ دنوں بعد پاگل ہو جائے گا۔“ حمید رینو کا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

آپ مصور ہیں لیکن آپ خود نہ جانے کس کا شاہکار ہیں۔ آپ کی پکلوں کی چھاؤں کئی خلک ہو گی۔“

”اوہ آپ نے وہی ملٹری والوں کی بد عنوانیاں شروع کر دیں۔“ رینو کا گہڑ کر بولی۔ ”میں کوئی

آوارہ عورت تھیں ہوں۔“

”آپ کو غلط نہیں ہوئی۔“ حمید سہم کر بولا۔ ”میں آپ کی کافی عزت کرتا ہوں۔“

”مجھے اب جانا چاہئے۔“ رینو کا اٹھتی ہوئی بولی۔

”میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔“

موٹھے اکھاڑنے والی

حید کو فیکم گذھ آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے، لیکن معاملات جہاں کے تباہ تھے۔ اس دوران میں پوست مارٹ کی صحیح رپورٹ بھی ملی تھی جو فریدی کے خیال کے مطابق تھی۔ سرجنت ریش کی موت ریڈیم ہی سے واقع ہوئی تھی۔ رپورٹ میں بالوں کی سفیدی کے متعلق ایک اچھی خاصی سائنسیک بحث تھی جسے کم از کم حید نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں ان میں اس حداثے کی اصل وجہ سے لاعلی ظاہر کی گئی تھی۔ بہر حال پیک کا خیال تھا کہ وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حرбے کے تجربے کا نتیجہ تھا۔ نیل روشنی اب بھی وقاً و قادِ کھائی دے جاتی تھی۔ ایسے موقع پر پورے شہر میں اس طرح ستائا چھا جاتا تھا جیسے وہ یک بیک زندوں کی بیتی سے قبرستان میں تبدیل ہو گیا ہو۔

فریدی کی نہ جانے کتنی راتیں پہلاں یوں اور چھانتوں کے درمیان گذر گئی تھیں۔ لیکن سب بے سود۔ وہ راستہ معلوم نہ ہوا۔ چدھڑا سکاگاہ ہوتی تھی..... فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تھا کیونکہ اس کی پیشانی پر نمایاں رہتیں۔

پہلے حداثے کے ٹھیک سو لمحوں دن و گراج کے درے کے قریب ایک لاش اور ملی یہ بھی ایک جوان آدمی کی لاش تھی اور اس کے بھرم کے بھی سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ یہ اسی فوجی دستے کا ایک سپاہی تھا۔ جو و گراج کے درے کی گمراہی کر رہا تھا۔ اس رات پھر نیل روشنی کے سلے ایک چنگاری بکھیرتی ہوئی ہوا۔ چھوٹی تھی ہا اور اس کا رخ بھی و گراج کے درے ہی کی سمت تھا۔ فیکم گذھ کی آبادی ایک بار پھر بدھو سیوں کا ٹکڑا ہو گئی۔ ہمسایہ ملک سے ایک بار احتجاج کیا گیا۔ لیکن وہی جواب ملا جو پہلے ملا تھا۔ یعنی کسی ایسے حربے کا تجربہ نہیں کیا۔

آج صحیح سے فریدی کچھ الجھا ہو انتہ آرہا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں کھلایا تھا۔ رات کے تقریباً 2 بجے باہر سے واپسی ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی وہ سویا نہیں تھا۔ حمید کے صبر کا پیالہ لبریز ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ انکی حالت میں فریدی سے بولنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی اس سے ضبطانہ ہو سکا۔ فریدی آنکھیں بند کئے آرام کری پر نیٹا تھا۔ اس کے دونوں ہمراں غیر ارادی طور پر مل رہے تھے۔ حمید نے آہتہ سے اس کے شانے پر ہاتھ روکھ دیا۔ فریدی چوک کرنے سے سرخ سرخ آنکھوں سے گھورنے لگا۔

”میں کہتا ہوں آخر مجھے ساتھ ساتھ باندھ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“ حمید نے کہا۔

فریدی کے چہرے پر سکراہت نمودار ہوتے ہی حمید اس پر باز کی طرح جھپٹ پڑا۔

”کوئی سکھ ہے آخر؟ جب مجھے عضو معطل سمجھا جاتا ہے تو پھر میری ضرورت ہی کیا ہے؟“

اس نے بھنا کر کہا۔ ”اگر دیکھ بھال کی ضرورت ہے تو ایک آنار کھ لجھے جو رات کو تھپک تھپک کر سلا بھی دیا کرے گی۔“

”میں تمہیں عضو معطل نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن یہ جانتا ہوں کہ تم کب اور کہاں کام آسکو گے۔“

”میدان حشر کے علاوہ اب کہیں اور کام نہیں آسکتا۔“ حمید بیز اڑی سے بولا۔

”خیر اگر یہی بات ہے تو کسی طرح اس عورت سے میرا چھپا چھڑاؤ۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”عورت....!“ حمید اچھل کر بولا۔ ”کیا مطلب؟ کون عورت۔“

”رینو کا۔“ فریدی سید حاجیٹھا ہوا بولا۔

”صاف صاف کہئے۔“

”اس نے مجھ سے باقاعدہ عشق شروع کر دیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”رونے کی ضرورت نہیں!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ اس سے چھپا چھڑانا چاہتے ہیں؟“

”ہاں بھی....!“

”تو اس سے شادی کر لجھے۔“

”کیا بکو اس ہے؟“

”میں حق کہہ رہا ہوں۔ جب آپ اس کے شوہر ہو جائیں گے تو وہ آپ کو آکھنے لگے گی۔“
”بکومت۔“

”میں حقیقت عرض کر رہا ہوں۔“ حید سنجیدگی سے بولا۔ ”ہر عورت اپنے شوہر کو آلو
بھختی ہے۔ چاہے شادی سے قبل اس پر عاشق ہی کیوں نہ رہی ہو البتہ دوسروں کے شوہر اسے
بڑے اچھے لگتے ہیں۔ چاہے وہ حقیقت آکے پہنچے ہی کیوں نہ ہوں۔“
”کوئی کام کی بات کرو۔“

”خیر چھوڑیے۔“ حید اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”یہ رینو کا کہاں سے تپک پڑی۔ میں تو سمجھا تھا
کہ آپ اسٹانگ کے متعلق کچھ کہیں گے۔“

”سب سے پہلے اس عورت کا مسئلہ ہے ہونا چاہئے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
”آخر کیوں؟“

”مجھے اس پر شبہ ہے.... وہ مصور نہیں ہے۔“
”یہ آپ نے کیسے جلا۔“

”بالکل سید ہمی سی بات ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ بغرض تفریح یہاں آتی ہے لیکن اسکی پر
�性 تفریح گاہوں میں آرٹسٹ تم کے لوگ خالی ہاتھ نہیں آیا کرتے۔“
”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”نہ تو اُس کے پاس مصوری کا سامان ہے اور نہ کوئی اسکی بک۔ اگر وہ دوسرا سامان اپنے ساتھ
نہیں لا سکی تو کم از کم ایک اسکی بک تو اس کے پاس ہونی ہی چاہئے تھی۔“
”آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اس کے پاس نہیں ہیں۔“
”میں نے اس کے کمرے کی ٹلاٹی لی تھی۔“
”یہ کب؟“

”اُسی دن جب تم دونوں کو آلبنا کر ریسکوران سے چلا آیا تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ شروع ہی سے اس کی طرف سے ملکوں تھے۔“
”قطی۔“

”اس کی وجہ۔“

"میں نے اسے ڈگراج درے کے چند محافظوں کے ساتھ ایک ریستوران میں دیکھا تھا۔"

"آپ انہیں پہچانتے ہیں۔"

"ایک ایک کو اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔"

"لیکن ان محافظوں کے ساتھ اس کا پیلا جلا میرے خیال سے تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" حمید نے کہا۔ "ویسے اس کے ساتھی راجیل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"راجیل کے متعلق میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ ایک پیشہ ور شکاری ہے اور موسم کے شکار کے لئے جگہ تجویز کرنے آیا ہے۔"

"رینو کا اسے کب سے جانتی ہے۔"

"میرے خیال سے وہ دونوں نہیں ملتے ہیں۔" فریدی نے کہا اور انہوں کو شہلے لے گا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ مجھے کیوں الکٹری الکٹری رہتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ممکن ہے تمہاری شکل اس کے بھائی سے ملتی جلتی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ گالیوں پر اتر آئے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"اگر اس سے تمہارے جذبات کو تھیس لگی ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"چھوڑ دیئے! میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اخاہ!" فریدی ہنس کر بولا۔ "آج آپ بھی مذاق کے موڈ میں نہیں ہیں۔"

"ہاں! ہاں! مجھے سوچنے دیجئے۔"

"لیا سوچنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ رینو کا اب سے دس سال پہلے کتنی حسین رہی ہوگی۔"

"نمیک ہے اس کے علاوہ تمہیں کچھ اور سوچنا بھی نہیں چاہئے۔" فریدی خلک لجھ میں بولا اور انہوں کر باہر چلا گیا۔ حمید سمجھتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر سک باکتنی میں بیٹھنے کے بعد واپس آجائے کا آج کل وہ زیادہ تر باکتنی ہی میں بیٹھتا تھا اور اس کی آنکھیں مغربی افق کے اس حصے پر جمی رہا کرتی تھیں جہاں نیلی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ دوسری موت کے بعد اس کی نظروں میں اس حرثت انگیز رد شنی کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی..... فریدی اس رات کو بھی ڈگراج کے درے کے قریب ہی ایک جگہ چھپا ہوا تھا جس کی صبح کو دوسری لاش ملی تھی۔ اس نے

روشنی نمودار ہوتے ہی تکہاںوں کو ڈیوبنیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے دیکھا تھا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے لئے درہ اور ان کے خیے قلعی دیران ہو گئے تھے۔ پھر اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ واپسی پر وہ دوبارہ اپنی جگہوں پر جرم گئے تھے۔ ان کے آفیسر نے ان سے باز پرس نہیں کی تھی۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ آفیسر بھی انہیں بھاگنے والوں میں شامل رہا ہو گا۔

حید بھی تھوڑی دیر بعد بالکونی کی طرف نکل آیا۔ لیکن فریدی وہاں نہیں تھا البتہ اس نے رینو کا کو دیکھا جو ریٹک پر آگے کی طرف جگھی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کبوتر تھا۔ حید کی آہت سن کر وہ اس طرح چوکی کہ کبوتر اس کے ہاتھوں سے نکل کر راہ گیا۔

”کبوتر اڑا دیا آپ نے میرا“ وہ کھیانے انداز میں بولی۔

”میں نے، کمال کرتی ہیں آپ!“

”اتنی مشکلوں سے پکڑا تھا۔“

”خیر میں دوسرا اللادوں گا۔“ حید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ الگ ہٹ گئی۔ وہ عمارت کے گرد منڈلاتے ہوئے کبوتر کو دیکھ رہی تھی۔

حید نے اسے باتوں ہی باتوں میں روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکی اور پھر اس کے بعد ہی اسے بھی واپس چلا آنا پڑا کیونکہ بالکونی بالکل دیران تھی اور چاروں طرف چھلی ہوئی تیز دھوپ آنکھوں میں خیرگی پیدا کر رہی تھی۔

فریدی نے رینو کا کے خلاف شہر ظاہر کر کے حید کو تینی الجھن میں جلا کر دیا تھا۔ لیکن اس نے شہبے کی جو وجہ بتائی تھی۔ زیادہ پائیڈ اونڈ تھی۔ اسے زیادہ اسے زیادہ ایک شک میں جلا دامغ کا پیدا کر دہا ایک دہم کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اسے اس کا تجربہ بھی تھا کہ فریدی کے شبہات شاذ و نادر ہی غلط نکلتے تھے تو پھر کیا وہ کوئی بات اس سلسلے میں حید سے چھپا رہا تھا۔ وہ بات جس پر اس نے اپنے شہبے کی بنیاد رکھی تھی۔ حید شام تک اس ستمی میں الجھا رہا۔ سورج غروب ہونے سے کچھ ہی دیر قبل فریدی واپس آگیا۔ خلاف توقع وہ اس وقت کافی بیش نظر آ رہا تھا۔ ماتحتے کی سلوٹیں مت گئی تھیں اور ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہنے والی آنکھیں ایک خاص حرم کی چمک سے مخمور تھیں۔ ایسی چمک جو کسی شریر بچے کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی نئی شرارت کا پلان مرتب کر رہا ہے۔

”اس وقت بڑے حسین لگ رہے ہیں آپ۔“ حمید نے اسے چھیڑا۔

”مکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔“ فریدی نے لاپرواٹ سے کہا۔ ”لیکن ذرا جلدی سے اٹھ کر سامان تو اکٹھا کرو۔ ہمیں یہ ہوشی چھوڑ دینا ہے۔“

”کیوں؟“

”وقت مت بر باد کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”یعنی گاڑی کھڑی ہے۔ اس میں سامان رکھ کر واپس آجائو۔ جلدی کرو۔ میرا منہ کیوں تک رہے ہوا چلو۔“

حمید دانت پیتا ہوا سامان اکٹھا کرنے لگا۔

سامان گاڑی پر بار کر کے جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ فریدی ڈائینگ ہال میں رینو کا کے ساتھ بیٹھا ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔

رینو کا اس سے کہہ رہی تھی۔ ”یادوں تمہاری عدم موجودگی میں شکم گذہ کے دن اور رات بے کیف ہو کر رہ جائیں گے۔“

”صرف تین دن۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کرو میں نے چھوڑا نہیں ہے۔ اگر وہ میرے بھائی کی علاالت کا تارنہ ہوتا تو میں اسے ردی کی نوکری میں ڈال دیتا۔ مگر انکی صورت میں جانا ضروری ہے۔“

”میں تمہارا انتظار کروں گی۔“ رینو کا نے کسی قلم کی ہیر و کن کی طرح رومانی انداز میں کہا اور حمید اپنے ہونٹ چائے لگا۔

”اوہ کیپشن جلیس...!“ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ ”آپ بھی جا رہے ہیں۔“

”جی ہاں میں بھی جا رہا ہوں۔“ حمید نے پُر وقار انداز میں کہا۔ ”اور شکم گذہ کی سرزین میں مجھ سے عظیم آدمی کے وجود سے ہمیشہ کے لئے مردوم ہو رہی ہے۔“

”تو آپ واپس نہیں آئیں گے؟“

”میرے لئے آپ کیوں.... اس سوال کی زحمت گوارا کر رہی ہیں۔“

رینو کا کوئی جواب دیئے بغیر فریدی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ڈائینگ ہال میں بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ شام کے وقت عموماً یہاں بھیڑ زیادہ ہو جاتی کرتی تھی۔ شکم گذہ کے دولت مندوں لوگ زیادہ تر یہاں آیا کرتے تھے۔ بعض رنگین مزاج حکام کی

شامیں بھی یہیں گذرتی تھیں۔ شراب کی بو تکنیں مکلنے لگی تھیں۔ ویژوں کی آمد و رفت میں تیزی بڑھتی بداری تھی۔

”آپ کیا ہیں گی۔“ فریدی نے رینو کا سے پوچھا۔

”آپ تو پیتے نہیں۔“

”تو اس سے کیا کہ میں ضرور کچھ بیوں۔ چلے کافی ہی سکی۔“

فریدی نے ویژو کو بلا کر شراب اور کافی کا آرڈر دیا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی اس نے آج تک اُسے کسی عورت کو شراب پلاتے نہیں دیکھا تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی کو شرابی عورتوں کے تصور سے بھی گھن آتی ہے پھر آخر دہ اس وقت ایک شراب چیتی ہوئی عورت کا وجود کو سکر برداشت کر سکے گا۔

شراب آئی اور رینو کا اس پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے کئی دنوں سے پیا ہو۔ فریدی اس سے ایک خاص انداز میں گفتگو کر رہا تھا جس میں لگاؤٹ اور چکچاہٹ دونوں ہی شامل تھیں۔ حمید کا ذہن اس بُری طرح الجھ گیا تھا کہ وہ اس پر دھیان نہ دے سکا کہ ان میں کیا گفتگو ہو رہی ہے اور پھر سامان کا مسئلہ الگ تھا۔ فریدی نے سامان کہاں بھجوایا تھا؟ حمید کی بُحصن اتنی بُری تھی کہ وہ آخر کار وہاں سے اٹھ گیا۔ اس اٹھ بھاگتے کی ایک وجہ اور تھی؟ اور وہ تھی رینو کا کی بد مستی! باقیں کرتے وقت اس کے ہونٹ اس طرح نئے نئے زاویے اور قوسمیں ہمارے تھے کہ وہ صاف منہ چڑھاتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ بہر حال حمید وہاں سے بھاگ کر بالکوئی میں پہنچا۔ لیکن یہاں بھی اس وقت سکون نہیں تھا جو نکہ سپخ کی شام تھی اس لئے آج بھیڑ کافی تھی۔ بالکوئی میں بھی لوگ بیٹھنے شراب پی رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ حمید کو اپنی زندگی تلخ ہوتی معلوم ہونے لگی۔ شراب کے نئے میں بھکی ہوئی عورتوں کا قرب اُسے عورت کے وجود سے تنفس کر دیتے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ڈائینگ، ہال ہی غیبت تھا کیونکہ وہاں ایسا طوفان بد تیزی نہیں تھا۔ ایک نئے میں بھکی ہوئی ایک گواٹیں لڑکی ہکلا ہکلا کر ایک فرش سا فلمی گیت گاری تھی اور اس کے قریب بیٹھنے ہوئے مرد قہقہے لگا رہے تھے۔

پھر کوئی دوسری عورت ناک کے بل نہتی ہوئی گئی۔ ”پٹ... پٹ... پٹاٹھ...“

”خہ... خہ... خہا۔“

حید بوكھلا کر پھر نیچے بھاگا۔ یہاں رینو کا کی حالت نشے سے اتر ہوتی جاری تھی اور فریدی اسے بے تحاشہ پلارہ تھا۔

”ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ عورت بہت عورت ہی رہے گی۔“ فریدی نے کہا۔ اس پر رینو کا آنکھیں بند کر کے بے ڈسکنٹ پن کے ساتھ پٹی اور حید کا دل چاہنے لگا کہ وہ اس کے منہ میں دونوں انگوٹھے ڈال کر اس کے گال کانوں کی لوٹک چھاڑا۔

”تائیں.... ہاب عورت... عورت نائیں....“ رینو کا اپنا بخلا ہوت تھلے دانتوں پر جکڑ کر بولی۔

”عورت عورت ہے.... وہ مردوں کی برابری نہیں کر سکتی۔“

”کار ساکتی ہے۔“ رینو کا نے اپنی پیٹھانی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”اوھ.... میری طرف دیکھو۔“ فریدی نے اس سے کہا اور رینو کا اپنی نشے سے بو جمل ہوتی ہوئی آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر فریدی کے چہرے پر نظریں جانے کی کوشش کرنے لگی۔ ”میں مرد ہوں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”اور اس آدمی کی نعلیٰ موچیں اکھلا سکتا ہوں۔“ حید کی نظریں بے اختیار اس آدمی کی طرف اٹھ گئیں جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ مرد ایک معمر اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ چہرے پر تکمی اور اوپر کوچھ می موچیں تھیں جن میں اس نے خفاہ لگا رکھا تھا۔ حید اسے ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ وہ مقامی پولیس کا ایک سب اسپکٹر تھا، جو اس وقت سادے لباس میں تھا اور اس کی موچیں سونیصدی نعلیٰ تھیں۔

”نعلیٰ موچیں۔“ رینو کا آہستہ سے بولی۔

”ہاں نعلیٰ موچیں۔ میں ان موچیوں کو اکھلا سکتا ہوں کیونکہ مرد ہوں۔ تم نہیں اکھلا سکتیں۔“

”میں بھی مرد ہوں۔“ رینو کا اپنے سینے پر ہاتھ ماری ہوئی تن کر بولی۔

”مگر تم اس کی موچیں نہیں اکھلا سکتیں۔“

”میں اکھلا سکتی ہوں۔“

”تم نہیں اکھلا سکتیں۔“

حید کا سر پکرا گیا۔ آخر فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ اس کا انجام اور اس کا مقصد وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی اسے آنکھ مار کر پھر رینو کا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”زبان سے کہہ دیا اور چیز ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

"میں اکھاڑ کر دکھادوں گی۔" رینہ کا لڑکھرا تی ہوئی انھی اور بڑی موچھوں والے سب انکھل کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ بیچارہ کافی کے گھونٹ لے لے کر سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔

"بیٹھے حمید۔" فریدی نے آہتہ سے کہا۔ "بس اب چل دو یہاں سے مل میں او اکر چکا ہوں۔" وہ دونوں انھوں کر تیزی سے باہر نکل آئے اور عمارت کے سرے پر بھی نہ پہنچے تھے کہ اندر سے شور سنائی دیا۔

"اکھر گئی۔" فریدی اپنا قہقہہ دباتا ہوا بولا۔ "بھاگو۔۔۔ جلدی۔۔۔ اور ہر نالے میں اتر آؤ۔"

"لیکن آخر یہ کیا حماقت ہے۔" حمید جھنجلا کر بولا۔ "اب ایک نئی مصیبت۔"

"کوئی نئی مصیبت نہیں پیدا کرے۔ اب ہم دوسرے ہوٹل میں قیام کریں گے جو دگرانج کے درے کے قریب ہے۔"

"لیکن اب ہم لوگ چھپیں گے کیسے؟ ہوش آنے پر وہ یقیناً سہی بیان دے گی کہ ہم نے اسے اکسلاپا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔۔۔ اب میں بھی اپنی صورت تبدیل کر دوں گا تم بھی کچھ اور ہو جاؤ گے۔"

"مگر میک اپ کا سامان تو اسیاب کے ساتھ گیا۔"

"تم تو بال کی کھال اتنا رتے ہو۔" فریدی جھنجلا کر بولا۔ "تحوڑی چیزیں میرے ہندنڈ بیک میں بھی ہیں۔"

"لیکن اس حرکت کی کیا ضرورت تھی۔"

"ضرورت تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔" اب بکومت، چپ چاپ چلے آؤ۔"

وہ ناہموار راستے طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر ایک جگہ ایک گار میں دونوں نے ٹارچ کی روشنی سے اپنے ٹلنے تبدیل کئے اور سڑک پر نکل آئے۔ انہوں نے اپنے کوت اتار کر بغل میں دبائئے تھے اور نایاں بھی کھول لی تھیں۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ چنان سے چلا گئ لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان جھکڑوں سے نجات حاصل کر لے۔

ٹھنڈا شعلہ

دوسرادن فریدی اور حمید کیلئے ایک دلچسپ دن تھا۔ وہ دونوں مل دیو ہوٹل کی لائن پر بیٹھے

سچ کا اخبار پڑھ رہے تھے۔ رات کے واقعے کے متعلق ایک چٹ پنی خبر شائع ہوئی تھی۔ رینو کا سب اسپکٹر کی موجودہ اکھالانے کے جرم میں پولیس کی حراست میں تھی اور ان دونوں کپتانوں کی تلاش جاری تھی جنہوں نے اُسے اکسیلا تھا۔ فریدی نے فس کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔ ”لیا ملا آپ کو۔“ حمید بیزاری سے بولا۔ ”خواہ مخواہ بیچاری کو پھنسوادیا۔“ محض ایک بے بنیاد شبے پر۔“

”بے بنیاد۔“ فریدی چوک کر بولا۔ ”حید بیٹھے اُس کچا کام کرنے کا عادی نہیں۔ محض شبے کی بنا پر اس قسم کے اقدام نہیں کرتا۔ ایک ٹھوس حقیقت سے دو چار ہونے کے بعد میں نے اُسے ٹھکانے لگایا ہے۔“ ”یعنی....!“

”وہ کبوتروں کے ذریعہ کسی نامعلوم جگہ پیغامات بھیجا کرتی تھی۔ پیغامات کیا تھے انہیں اچھی خاصی روپورث کہنا چاہئے۔ جو وہ ہم لوگوں کے متعلق تیار کر کے کسی نامعلوم آدمی کے پاس پہنچایا کرتی تھی۔“

”کبوتر لئے کھڑی تھی اور اس کی آہٹ پر چوک کر اڑا دیا تھا تو کیا وہ ہم لوگوں کی اصلیت سے واقف تھی۔“

”قطیعی....!“ فریدی نے کہا۔ ”یہ چیز مجھ پر کل تھی ظاہر ہوئی ہے۔ کل بالکلونی سے اس سے ایک نامہ بر کبوتر اڑایا تھا۔ اخلاق سے اسے ایک باز نے نیچے گرا دیا اور وہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے ذریعہ رینو کا نے جو روپورث بھیجی تھی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی ہم لوگوں کے متعلق کسی کو اطلاع دے چکی ہے وہ میری پرسوں کی نقل و حرکت کی پوری پوری روپورث تھی۔“

”کبوتر کے متعلق آپ کو کل ہی معلوم ہوا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں میں نے اس سے تبلیغ بھی اُسے کئی بار کبوتر اڑاتے دیکھا تھا۔ لیکن میں یہ بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ نامہ بر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہوٹل میں جنگلی کبوتروں کی خاصی اچھی تعداد بسرا لگتی ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور کبوتر رہا ہو۔ مطلب یہ کہ اُسے کسی اور نے اڑایا ہو۔“

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اندھا ہوں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "میں نے خود اسے اڑاتے دیکھا تھا اور تم اس کے پیچے کھڑے ہوئے تھے۔ میں سامنے والی چنانوں میں موجود تھا۔" "وہاں کیا کر رہے تھے۔" حمید بے خیالی میں بولا۔

"جگ مار رہا تھا۔ تم اتنے کوئی کوں ہو گئے ہو؟"

"آپ جگ مار رہے تھے۔ اچھا کر رہے تھے۔ جب کسی طرح بس نہ چلے تو جگ مارنا صحت کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے۔ لیکن میں قطعی کوئی نہیں ہوں۔ کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ رینو کا کو اس طرح پکڑوانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس یونہی مذاق کرنے کو دل چاہا تھا۔" فریدی سگار سلاکتا ہوا بولا۔ "لیکن اگر ضرورت پیش آئی تو یہی مذاق سمجھیں گی میں تبدیل ہو کر ہمارے کام آئے گا۔" "میں نہیں سمجھا۔"

"میں کرو گے سمجھ کر۔" فریدی طنزیہ لبھ میں بولا۔ "کیا اس ہوٹل میں تمہیں کوئی لڑکی دکھائی نہیں دی۔"

"دیکھئے جتاب۔" حمید چڑ کر بولا۔ "اگر آپ اس طرح مجھے تاکارہ اور نکما بنائے رکھیں گے تو میں چپ چاپ واپس جا کر اپنا استھانا پیش کر دوں گا۔ جہنم میں گئی الیکی ملازمت۔"

"تو اس طرح کیا تم مجھ سے فتح سکو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں خود کشی کر لوں گا۔"

"بسم اللہ!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "چلو پھر پانی منگاؤں یا خالص گھی۔" حمید نے بھنا کر دوسرا طرف منہ پھیر لیا۔

"ہے ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یاد رکھئے تو عورت ہونا چاہئے تھا۔"

حمد بدستور خاموش رہا وہ اپنے ہونٹ سکوڑے پاپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ پاپ سلاکر اٹھا اور آہستہ آہستہ نہ ملتا ہوا عمارت کی طرف چلنے لگا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فریدی بھی اس کے پیچے پیچے آ رہا ہے۔ لیکن اس نے پلٹ کر دیکھا نہیں۔ عمارت میں داخل ہو کر اس کرے کی طرف مز گیا جس میں دونوں قیام پذیر تھے۔

کرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ چوک چڑا۔ صوف کے درمیان رکھی ہوئی ٹپی پر سونے کا

ایک بڑا سا گلزار پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اُسے اٹھانے کے لئے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں کسی نے اُسے پکڑ کر چھپے کی طرف کھینچ لیا۔ یہ فریدی تھا۔

”اتی بدحوابی اچھی نہیں۔“ فریدی نے کہا اس کے ہونتوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
”توكیا یہ آپ نے۔“

”نہیں!.... نہبڑا! اسے ہاتھ مت لگاتا۔“
حمدیہ جنت سے اُسے دیکھنے لگا۔

”ابھی تم مر جائے گے ہوتے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور مرنے سے پہلے بوڑھے ہو جاتے۔“
”کیا؟“ حمید چوک کر بولا۔ ”مگر.... یہ تو سونا ہے۔“

”ہاں ہاں! اور کسی نے ہماری موت کو دعوت دینے کے لئے اسے یہاں نہایت احتیاط سے رکھ دیا ہے۔ میٹھے حمید خاں! اب کھلم کھلا جگ کرنی پڑے گی کیونکہ انہوں نے ہمیں اس بجیس میں بھی پہچان لیا ہے۔“

”آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔“ حمید پھر سونے کی طرف بڑھا۔

”نہبڑا! کیوں حادثہ کر رہے ہو۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔ ”جاڈا برآمدے میں ایک ملی کاچھ پڑا اوٹکے رہا ہے اسے اٹھاؤ۔“

”میں نہیں جاتا..... آپ نہ جانے یا!“

”صاجزہ ادے ہو۔“ فریدی خود دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”خبردار اسے ہاتھ نہ لگاتا۔“

پھر وہ ایک ملی کے بچے کو باتحوں میں اٹھانے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”کیا آپ خواہ تجوہ...!“

”چپ رہو؟“

”آپ ایسے حالات میں انجینائی مuttle خیز لگتے ہیں۔“ حمید نے بھنا کر کہا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر ملی کے بچے کو سونے کے گلڑے پر ڈال دیا۔ اس نے دہاں سے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا اور وہ وہیں سر رکھ کر اوٹکے گیا۔
حمدیہ تھخرا آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

”تو کیا اب آپ اس بیلی کے پیچے سے اٹھے دلوائیں گے۔“

”دیکھتے جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور انھوں کر دروازے کے قریب آگیا۔

”کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔“ حمید نے بیڑا اسی سے کہا اور پاتپ سلاگا کر صوفے پر شم دراز ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کئی منٹ گزر گئے۔ کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ دھنٹالی کے پیچے نے ایک چینچ ماری اور اچھل کر زمین پر جا پڑا۔ حمید بولکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ بیلی کا پیچے بے حس و حرکت نظر آ رہا تھا۔ فریدی اس پر جھک پڑا۔

”یہ ابھی مر انہیں۔“ وہ اپنے دواؤں کے بکس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اس نے جیزی سے ایک ٹوپی کی بوٹی کاٹا اور حمید کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اس کی ٹاک سے لگائے رکھو۔“

وہ پھر دواؤں کے بکس میں کچھ ٹلاش کرنے لگا تھا۔ حمید نے بوٹی کو ٹھوک کر بیلی کے پیچے کی ٹاک سے لگادی۔ وہ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے سینے پر جلنے کا داع غم تھا۔ سینے کا ہتا حصہ سونے کے ٹکڑے پر تھا۔ فریدی طرح جلس گیا تھا۔

”ہوں....!“ فریدی جھکتا ہوا بولا۔ ”ذرا اس کا اگلا یہ تو اخھاؤ۔“

اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سوئی تھی۔ حمید کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھتا۔ فریدی نے بیلی کے ٹریڈ میں سوئی چھوڑ دی۔

”اب بوٹل ہٹاؤ۔“ اس نے حمید سے کہا۔

فریدی بیلی کے پیچے کے قریب ہی بیٹھا رہا۔ حمید نے بوٹی بند کر کے بکس میں رکھ دی۔

”اب اس سونے کو اٹھا کر جیب میں رکھ لو۔“ فریدی نے سکرا کر کہا۔

”یعنی....!“

”یعنی یہ کہ اب تمہیں سونے کی اجازت ہے۔“

حمد جیپنی ہوئی بُھی کے ساتھ فریدی کے قریب آبیٹھا۔ بیلی کے پیچے کے جسم میں حرکر، بیدا ہو چکی تھی۔

”اب یہ نہیں مرسکتا اور وہ دنوں سونے والے بھی آدمی گھنٹے کے اندر اندر بچائے جاسکتے تھے۔“

”مگر.... آپ تو ریڈی ہم کہہ رہے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”اتا ریڈی ہم وہ کہاں سے لائیں گے۔ انہوں نے سونے کو ریڈی ہم سے چارچ کر لیا ہے۔ یہ ٹکڑا

بھی ریڈیم سے متاثر شدہ ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی انہیں ریڈیم کو دعات کی شکل میں لانا پڑا ہو گا اور یہ ایک مشکل عمل ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے سونے کو کس طرح ریڈیم سے متاثر کیا۔

”میں جس کہتا ہوں حمید کوئی بہت بڑا دماغ اس سازش کے پیچے کام کر رہا ہے۔“

”لیکن یہ میز“ حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ ”یہ میز کیوں نہیں جلتی۔“

”شاید اس عمل میں حرارت پذیری کا بھی دخل ہے۔“

”لیکن لانے والا اسے لایا کس طرح ہو گا۔“

”ممکن ہے لکڑی کی ذبیہ استعمال کی ہو۔ ویسے سیسہ ہی ایک انکی دعات ہے جس پر ریڈیم کوئی اثر نہیں ہوتا۔“

”شیشہ.....!“

”شیشہ نہیں سمجھے.....!“ فریدی نے کہا۔ ”جانتے ہو ریڈیم کتنی طاقتور چیز ہے۔ اس کے متعلق اندازہ لگالیا گیا ہے کہ صرف دو پونٹ ریڈیم زمین کو اس کے محور سے ہٹانے کے لئے کافی ہو گا۔“

بلی کا پچھا اٹھ کر رینگنے لگا تھا اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ رینگتا ہوا دردعازے کی اوٹ میں چلا گیا۔

”آپ نے الجشن کس چیز کا دیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”اسڑا چکن سلوشن.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کم بختوں نے مارڈائی کا بڑا اچھا طریقہ ایجاد کیا ہے! سونا دیکھ کر کون نہ لپکائے گا۔ ایک مکڑا راہ میں کہیں ڈال دیا اور اٹھانے والے کا قصہ تمام۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اب ہم قطعی محفوظ نہیں ہیں۔“ حمید نے کہا۔

فریدی نے خیال انداز میں سر ہلا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔

”تو پھر وہ پولیس کو ہمارے متعلق اطلاع بھی دے سکتے ہیں کہ ہم اس بھیس میں یہاں موجود ہیں۔“

”شائد ہی وہ ایسا کریں!“ فریدی نے کہا۔ ”کیونکہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکے۔“

دراصل اب چپ چاپ ہمارا خاتمه کر دینے کی گھات میں ہیں۔“

”چپ چاپ کیوں! جب وہ ہمیں پہچانتے ہیں تو کبھی بھی اور کسی حالت میں ہمارا خاتمه کر سکتے ہیں۔ آپ کو شروع ہی سے بھیس بدل کر رہتا چاہئے تھا۔“

”بس حماقت ہو گئی۔ مجھے دراصل ان کی قوت اور عظیم کا اندازہ نہیں تھا۔“ فریدی سگار

سلکتا ہوا بولا۔ اس نے سونے کے گلزارے کو ایک لکڑی کے ڈبے میں رکھ کر دواؤں کے بکس میں ڈال دیا۔ ٹیلی کا پچھہ پھر دروازے کی اوٹ سے رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔
”ذرادیکھنے۔“ حمید بے اختیار بولا۔

اس کے سفید پالوں میں بلکل سی نیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ فریدی نے خیال انداز میں سر ہلانے لگا۔ حمید کے چہرے پر ہوائیاں از ری تھیں۔ اسے اپنے کچھ دیر قبل کے رویے پر افسوس ہونے لگا۔ وہ خواہ تو خواہ فریدی کا مسئلہ ادا تارہاتا۔ درحقیقت فریدی کی اتحاد پا بہت مشکل کام ہے۔
حمد اٹھ کر اندر گیا۔ فریدی سیلا پنجی پر جھکا ہوا منہ دھورہاتا۔

”بھی یہ معاملہ اپنے بس کا نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔ ”تم دیکھ رہے ہو کہ کسی طرح کام بتانا نہیں۔ کیا بس ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔ اس معاملے میں ہاتھ ڈالا خود کشی سے کسی طرح کم نہیں۔ میں اپنی ناکامیوں کی رپورٹ تکمل کر کے نصرت صاحب کو دے دوں گا اور بس..... آج رات کی ٹرین سے ہم گھر کی طرف روانہ ہو جائیں گے معلوم نہیں بھرمون نے اپنا جال کہاں کہاں پھیلایا رکھا ہے۔“ فریدی سمجھدی گی کے ساتھ یہ ساری باتیں کہہ رہا تھا۔ ”چلو جلدی سے تدار ہو جاؤ۔“ فریدی پھر بولا۔ ”میں مجرم نصرت کے یہاں چلتا ہے۔ جہنم میں گیا یہ کیس۔“

حمد کچھ نہیں بولا۔ وہ لوٹ کر اپنے بکس سے کپڑے نکالتے لگا۔

”پیدل ہی نہیں رہے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم آخر اس قدر خاموش کیوں ہو؟“
”کچھ نہیں۔“

”ساری شراری ہوا ہو گئیں۔“

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ اس وقت میرے پیچے پیچے چلنے نہ آئے ہوتے تو میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔“

”اس میں تو نیک نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہونے والی بات۔ میں بلا مقصد بغیر ارادہ تمہارے پیچے چلا آیا تھا۔ ورنہ اس وقت وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں ابھی زندہ رہوں گا۔“ حمید سکر اکر پولا۔

”یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ ابھی آخری مرکر کے باقی ہے۔“

”کیا مطلب....!“ حمید چونک کر بولا۔ ”آج رات کو تو ہم واپس جائے ہیں۔“

فریدی ختنے لگا۔

"بکھری تیسی فریدی بچپے ہٹا تھا۔" اس نے کہا۔

"تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤ۔" فریدی رک کر سگار سلاگا ہوا بولا۔ "ہمارے فعل خانے میں ایک ڈکٹوگراف رکھا ہوا ہے۔"

"ڈکٹوگراف۔" حمیدا جمل کر بولا۔

"ہاں اور اس کا رسیوگ سٹ کسی اور کرنے میں ہے ہماری ساری گفتگو کی نہ سن لی ہے۔ اس واقعے سے پہلے مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ وہ تو منہ دھوتے وقت اس پر نظر پڑ گئی۔ بظاہر وہ فتاں کا ذاپہ معلوم ہو رہا تھا۔ اتفاق سے میرا بھر اس سے جانگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ملن کا نہیں ہے۔ پھر دیکھنے پر ساری حقیقت واضح ہو گئی۔.... ہاں تو اس کے ذریعے سے کسی نے ہماری ساری گفتگو سن لی ہے۔"

"تب تو کم از کم اسے پکڑ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی۔ ذرا سی طلاش کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا مسلسلہ کس کرنے سے ہے۔"

"وہ نمیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح ہم جلدی ہی ختم کر دیے جائیں۔ یہ بات میں سجیدگی کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ہمیں ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ معلوم نہیں دشمن کہاں اور کس روپ میں موجود ہو۔ بعض اوقات تو مجھے مجرم نصرت پر بھی شہر ہونے لگتا ہے۔"

"ارے وہ کیا۔....!"

"میں یہ نہیں کہتا۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ایمانداری سے اپنے فرانس انعام دے رہا ہو۔"

"خیر چھوڑ دیے! اب آپ کیا کریں گے۔" حمید نے کہا۔

"مجرم نصرت کے بھاں سے واپسی کے بعد اپنا سامان ریلوے اسٹیشن پر پہنچادیں گے۔"

"ریلوے اسٹیشن پر۔"

"ہاں اور اس کے بعد ہماری موجودہ ٹکل و صورت کے دو آدمی نوبیجے رات والی ٹرین سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"پھر....!"

"پھر ہم ہوں گے اور رینوکا۔"

حید متحیر انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

فتنه جاگتا ہے

”اس طرح بوكھلا کر مت دیکھو۔“ فریدی سکرا کر بولا۔ ”اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دونوں رینو کا سے مشق شروع کر دیں گے۔“

”خیر آپ کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ آج کل میں نفسیاتی تحریکوں کے خط میں جلا ہو گیا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس سلسلے میں رینو کا کو سمجھیت ہنانے کا ارادہ ہے۔“

”یعنی....!“

”یعنی یہ کہ آج رات کو دیکھ لیں۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

وہ دونوں ڈھلوان راستے پر چل رہے تھے۔ ان کے دونوں طرف اونچی پنجی اور کائنے دار جہاڑیوں سے ڈھکی ہوئی چٹائیں تھیں اور راستہ دور حکم پھیلا ہوا تھا۔ شہر یہاں سے تقریباً ڈڑھ میل کی دوری پر تھا۔

دفعہ انبیس اپنے بیکھے ایک زور دار گڑاہٹ سنائی دی۔ وہ دونوں چوک کر مڑے۔ ایک بہت بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی ان کی طرف چلی آری تھی۔ اس کا جنم اتنا زیادہ تھا کہ اس نے قریب قریب راستے کی پوری چوڑائی کو ڈھک لیا تھا۔

”بھاگو....!“ فریدی بے احتیاط چیخنا۔

وہ دونوں تیزی سے دوڑنے لگے۔ گڑاہٹ کی آواز رک گئی۔ چٹان راستے کے ایک خفیہ سے موڑ پر پھنس کر رک گئی تھی۔

”چلتے جاؤ! خطرہ ہے۔“ فریدی بدستور دوڑتا ہوا بولا۔ ”ریو اور ہے۔“

”نہیں....!“ حید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”میں بھی نہیں لا لایا..... شاید ہماری عقلیں چلنے کی تھیں۔“

پھر وہ اس ٹھک راستے سے نکل کر ایک کشادہ چٹان پر آگئے۔ شہر نزدیک تھا۔ اس نے وہ دم لپٹنے کے لئے ایک چکر رک گئے۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ حکم اتفاق رہا ہو۔" حمید ہانپڑا ہوا بولا۔

"سب کچھ ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ لوگ کھل کر سامنے نہیں آ رہے ہیں۔" "جناب والا وہ جائیں جہنم میں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اگر اس وقت وہ چنان راستے میں نہ رک گئی ہوتی تو ہمارے سخن کے کتاب کیسے ہوتے؟ بس اب تجھے چھوڑ دیئے یہ چکر اور چپ چاہم دم دبا کر نکل چلے۔"

"یہ میری توہین ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"تو کم از کم میں تو اپنی لاش پر تمغہ نہیں لگوانا چاہتا۔"

"تم واپس جاسکتے ہو۔"

"باس.... اس جملے کے علاوہ اور آپ کو کچھ نہیں آتا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر شہر کی طرف چل پڑا۔

تحوڑی دیر بعد وہ دونوں میجر نصرت کے ڈرائیکٹر روم میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔
میجر نصرت اندر کسی کام میں مشغول تھا۔

فریدی اور حمید نے اپنے اصلی نام اسے نہیں بھجوائے تھے۔ بہر حال جب وہ ڈرائیکٹر روم میں آیا تو اس کا روایہ قطعی غیر متعلقانہ تھا۔ کیونکہ میجر نصرت انہیں اس بھیس میں پچھانا نہیں تھا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ دونوں کوں ہیں تو وہ حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"واقعی آپ اس فن میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"تریزو کا کا کیا رہا۔" فریدی اس کی بات اڑا کر بولا۔ "کسی نے اس کی ہدایت تو نہیں دی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ.....!"

"کیا مطلب....؟" فریدی نے بے صبری سے اس کی بات کاٹی۔

"پولیس والوں نے اسے چھوڑ دیا۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔" فریدی بھنا کر بولا۔ "میں نے کل رات ہی آپ کو مطلع کر دیا تھا۔"

"کیا اس کا روک لیا جانا ضروری تھا۔"

"اب یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔"

"اگر کوئی ایسی ہی بات تھی تو آپ کو صاف اطلاع دینی پاہنے تھی۔" میجر نصرت نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "میں سمجھتا تھا کہ آپ میرے نیکم گذھ آنے کی غرض و غایت سے بخوبی واقف ہوں گے۔ بھلا کسی اور معاملے سے مجھے کیا سروکار۔"

"تو کیا اس کا تعلق اس سے تھا۔"

"جواب۔"

"بھی میں کیا تھاوں میں نے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو یو نہیں رکھی طور پر اُسے روکے رکھنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ لہذا اس بیہودے نے رات بھرا سے اپنے بیٹلے میں رکھا اور صبح اس سے ایک معافی نامہ لکھوا کر چھوڑ دیا۔"

"سب چوپٹ ہو گیا۔"

"پولیس آپ لوگوں کی تلاش میں تھی لیکن اس سلسلے کو میں نے ختم کر دیا ہے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ شاید وہ پورا اگر وہ ہماری گھرانی کر رہا ہے۔"
"ارے۔"

"میں ہاں.... شروعات ہی غلط ہوئی ہے۔ پورے حالات مجھے ہیڈ کوارٹر ہی میں معلوم ہو جانے چاہئے تھے۔ معلوم نہیں اس طرح ہمیں بھجوانے میں کیا مصلحت تھی۔ میں اچھی طرح معاملات کو سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کرتا ہوں۔ اس وقت تو یہ عالم ہے کہ ہمارے چاروں طرف بے شمار جال ہیں اور اہم احتجوں کی طرح درمیان میں کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہیں۔"

میر نصرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش نہیں دیکھ رہا تھا
فریدی بغیر کچھ کہنے سے کھڑا ہو گیا۔

"توبہ کیا ارادہ ہے۔" میر نصرت نے کہا۔

"کچھ نہیں! کچھ نہیں۔" فریدی کہتا ہوا رانگ روم سے باہر نکل آیا۔ وہ بہت زیادہ جھنجھلایا ہوا تھا۔

"ویکھا تم نے اس ڈیوٹ کو۔" اس نے حمید سے کہا۔ "ای عقل کے بل بوتے پر پر نہذہ نہ
بے پیٹھے ہیں۔ ان کے تو فرشتے بھی اس معاملے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"میرا تو دل چاہا تھا کہ اس کی موچھیں اکھاڑ دوں۔" حمید نے کہا۔

"یو تو ف آدمی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو اس ڈی۔ ایس۔ پی کے پیچے پر تاؤ آ رہا ہے جس نے محلہ سراغِ رسانی کے آفیسر کی ہدایت کے باوجود اُسے چھوڑ دیا۔ انہیں بد بخنوں کی عیاشیوں نے ملکے کو بد نام کر رکھا ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ پھر کسی گھری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"آپ رینو کا سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

”چھوڑو بھی۔ مارو گولی۔ جہنم میں جائے۔ جو بات نہیں ہو سکی اس کے متعلق کچھ کہنا ہی فضول ہے۔“

وہ پھر خاموش ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد خود ہی بولا۔

”نیلی روشنی سرحد پار کی چیز نہیں معلوم ہوتی۔ میں نے اچھی طرح اندازہ لگایا ہے کہ اس سکنگ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ اسی دن دکھائی دی تھی نا جس دن تم نیکم گذھ آئے تھے۔ یعنی جس دن میں نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ لیا تھا۔“

حید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”غیر نے کہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سرحد پار والوں نے کسی جہاں کن حربے کا تجربہ کیا تھا اور نیکم گذھ کی متعدد عمارتوں میں آگ لگ کر گئی تھی۔ میرے خیال میں مجرموں کا وہ مصنوعی تجربہ اس نیلی روشنی کا پیش خیبر تھا۔“

”مصنوعی تجربے سے اس کی کیا مراد ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”ہونہہ! تو کیا تم اسی بحث کرنے کے لئے ہو کر وہ کوئی جہاں کن حربے تھا۔“

”آگ جو گئی تھی۔“ حید نے کہا۔

”کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ تو تم بھی کر سکتے ہو! شہر میں پہلے ہی سے اپنے گرے چھوڑ دو۔ اس کے بعد دور کی کسی پہلا ڈی پر چڑھ کر بچوں کی طرح آٹیں بازیاں چھوڑنا شروع کر دو اور پہلے سے بنائی ہوئی سیکم کے تحت تمہارے گرے شہر کی عمارتوں میں آگ لگاتے پھریں۔“

”یہ آپ کا قیاس ہی ہے۔“

”ہے تو قیاس ہی۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرف والوں سے ہمارا کوئی جھوڑا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ اسیں چاہتے ہیں۔ دنیا میں جاہی پھیلانے والے جنگ پازوں کے خلاف چدو چھد کر رہے ہیں۔ پھر وہ بھلا نہیں کیوں لٹک کرنے لگے جب کہ ہم بھی اسیں چاہتے ہیں اور ہماری پالیسی غیر جانبدارانہ ہے..... حید یہ ایک بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ ایک طرف ہمیں ہماری حکومت سے بد نہ کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف..... ہماری کوئی بہت ہی بھی چیز ہم سے جھینی جا رہی ہے۔ سونے کے نکلوں کو رینہ یہم سے تاثر کر دیتا کم از کم اپنی طرف کے سامنے والوں کے بس کاروگ نہیں۔“

”خدا خیر کرے۔ آپ نے لگائی کوئی بین الاقوای جست۔“

”دیکھو! ہم سونے کی ناجائز برآمد کے سلسلے میں اتنی اودھم سمجھ میں نہیں آتی۔“ فریدی

ایک جگہ رک کر سگار سلاکتا ہوا بولا۔ ”ان لوگوں کا طریقہ کار تواب اچھی طرح میری سمجھ میں آیا ہے۔ وگراج کے درے کے قریب دو سفید لاشوں کا پالا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محافظ دستے کے کچھ لوگ بھی بھروسے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ہی کہوں گاہ کے لئے نہیں کہہ سکا۔ کیونکہ اگر سب بھروسے ملے ہوتے تو نئی روشنی دیکھ کر بھاگنے کا دھمکی رچانے کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی۔ ان کا انچارج کیپشن رمبویر سنگھ ہے وہ تو سو فصد بھروسے تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ اپنی ذیوٹیاں چھوڑ کر ہر گز نہ بھاگتے۔“

”خبر یہ بات تو اپنی سمجھ میں آتی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن سونے کے علاوہ اور کون سی جیز ہو سکتی ہے۔“

”یہ فی الحال میں خود نہیں جانتا لیکن محض سونے کی غیر قانونی برآمد کے لئے اتنی اچھل کو دلایتھی ہے۔ اس قسم کی چیزوں کی اسکنک معمولی چوراپکے بھی کر لیتے ہیں۔“

”وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ اچاک فریدی رک کر بولا۔

”حید تم ہو ٹھیں واپس جاؤ اور سامان کسی اور ہو ٹھیں میں ختل کر دو۔ میں مجرم نصرت کے بیباں جبار ہاں ہوں۔“

”کیوں.....!“

”یہ ابھی نہ پوچھو۔ وقت بہت کم ہے۔ جاؤ ڈرڈ نہیں۔ ہمیں صرف ایک ہی بارہ مرنا ہے۔۔۔ آج یا کل۔۔۔ یا کسی اور دن۔“

”اوہ! تو کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں؟“ حمید تن کر بولا۔

”ہر گز نہیں۔ اچھا تو جاؤ۔ میں تمہیں پانچ بجے ستمل گھاٹ کے پہلے موڑ پر ملوں گا۔ اس پر ریو اور مت بھولنا۔“

حمید نے فریدی کے چہرے پر بے چینی اور دبے ہوئے جوش کے آہاد محسوس کئے اس کی آنکھوں میں وہی پرانی وحشیانہ چمک تھی جو اس نے بارہا خطرناک موقعوں پر دیکھی تھی۔ فریدی واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

حید نے طرح چکر لایا ہوا تھا۔ فریدی نے اس سے قبل کبھی اتنی سنجیدگی سے موت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حید ہو ٹھیں واپس آگیا۔ حالانکہ وہ پہلے ہی سے ایک ہفتہ کے اخراجات کی رقم ادا کر چکا تھا۔ لیکن بہر حال وہ ہو ٹھیں تو چھوڑنا تھا تھا۔ سب سے پہلے حید نے فریدی کی دواویں کا بکس کھولا کیونکہ اسے سونے کے اس ٹکڑے کی فکر زیادہ تھی۔ اس کا اندر یہ شفاط نہیں ثابت ہوا۔ سونے

کا فکر اغایب تھا۔ پھر وہ بقیہ چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ ہر شے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ حید سوچنے لگا کہ اب کس ہوٹل میں جائے۔ پھر دفاتر سے اس ڈکٹوگراف کا خیال آیا۔ جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔ اُس نے آہتہ سے عسل خانے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن کہیں کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جس پر ڈکٹوگراف کا شہر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ کمود کے نیچے فرش پر دو نیخے نہیں سوراخ دکھائی دیے۔ فرش لکڑی ہی کا تھا وہ تھوڑی دیر تک ان سوراخوں پر نظریں جائے رہا۔ پھر ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ ڈکٹوگراف کے بر قی تار غالباً انہی سوراخوں کے ذریعے کسی دوسری جگہ لے جائے گئے تھے۔ اگر فریدی نے اس واقعہ کو ذرا برا بر بھی اہمیت دی ہوتی تو اس وقت حید اس بات کا پتہ لگائے بغیر نہ مانتا کہ ڈکٹوگراف کا دوسرا اسلہ کس جگہ سے تعلق رکھتا ہے۔“

اس نے عسل خانے سے نکل کر سامان اٹھا کر ناشروع کر دیا۔ ویژہ کو اُس نے پہلے ہی اپنی روائگی کی اطلاع دے دی تھی۔ پھر اس نے سامان ایک ٹیکسی پر لاد کر شہر کی راہی۔ شہر میں کہیں ایسے ہوٹل تھے جن میں وہ اطمینان سے قیام کر سکتے تھے۔ ان میں کچھ اعلیٰ درجے کے بھی تھے۔ لیکن حید نے ایک ایسے ہوٹل کو ترجیح دی جس میں متوسط طبقے کے لوگ قیام کرتے تھے۔ پانچ بجے اسے سutil گھائی پہنچا تھا۔ اس لئے اس نے سامان کو پورے سلیقے سے رکھنے کی زحمت گوارانہ کی اس وقت چار بجے رہے تھے۔ اس نے جیب میں روپوں اور ڈالا اور سutil گھائی کی طرف چل پڑا۔

ڈکٹوگراف غائب ہو جانے کے بعد سے اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اب ان کی کڑی مجرمانی نہیں ہو رہی ہے وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو موقعہ پر سو جھی بھی خوب! مجرم یقیناً اس قدرے میں آگئے جبھی تو انہوں نے ڈکٹوگراف بھی ہٹالیا۔

وہ چلتا رہا اور پھر سutil گھائی والی سڑک کے پہلے موڑ پر رک گیا۔ گھڑی کی طرف دیکھا۔ نیک پانچ بجے تھے مگر فریدی کا کہیں پہنچنے تھا۔ حید سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ دفاتر سے اپنی پشت پر نشیب میں کسی عورت کے قبیلے کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے کیوں وہ قبیلہ اسے ایک عجیب حرم کی جیج معلوم ہوا۔

حید نے مڑ کر دوسرا سارا بھار اور دوسرے ہی لمحہ میں اس کے جسم کے سارے رو گلکنے کھڑے ہو گئے۔ دوسری طرف نشیب میں فریدی ایک درخت کے تنے سے بندھا کھڑا تھا اور ایک عورت اپنے ہاتھ میں چڑے کا کوڑا لئے اپنے قریب کھڑے تین آدمیوں سے آہتہ آہتہ کچھ کہہ رہی

تحی۔ دھنواہ فریدی کی طرف مڑی اور حمید یک بیک چوک پڑا۔
وہ رینو کا تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو دیکھتی رہی پھر شواب سے کوڑا رسید کر دیا۔
فریدی کے جسم میں جبش تک نہ ہوئی۔ وہ ایک بے جان بٹ کی طرح کھڑا تھا۔ وہ سرا کوڑا پڑا۔
فریدی کی حالت میں کسی قسم کی تجدیلی نہ ہوئی تو اُس نے ہونٹ بھینچے اور نہ اُس کے ماتحت پر ٹکنیں
ابھریں۔ اس کا چہرہ کوڑے کی ضربوں کی تکلیف کے تاثر سے سکسر عاری نظر آ رہا تھا۔ کوڑا تیر، کوڑا تیر،
پار کو نہ اور رینو کا نے ایک زور دار قبضہ لگایا۔

”میں کوڑے بار بار کر آج جھیں ختم کر دوں گی۔“ وہ پر سرت لجھ میں جھی۔

فریدی پھر بھی کچھ نہ بولا۔

چوتھا کوڑا پڑا اور حمید آپ سے باہر ہو گیا۔ اس نے روپ اور کادستہ اس مضبوطی سے پکڑ رکھا
تھا کہ اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں تھیں۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ سے نیچے ریک
گیا۔ وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس سے فریدی بندھا ہوا تھا۔ وہ
ٹھیک اس کے پیچے جا کر رک گیا۔ رینو کا برابر کوڑے بر سائے جا رہی تھی۔

”تم خواہ تجوہ اپنے ہاتھوں کو تکلیف دے رہی ہو میری جان۔“

”ہٹ جاؤ۔۔۔ میں اس پر نٹانے کی مشق کر دوں گا۔“

”نہیں۔۔۔!“ رینو کا گرج کر یوں۔ ”میں نے قسم کھائی تھی کہ اسے بڑی اذیت دے کر
مار دوں گی۔“

”اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو گی کہ تم اتنے دنوں تک مجھ سے جدار ہیں۔ میں یوں ہی مر رہا
تھا۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تم پر کس نبڑی طرح عاشق ہوا ہوں۔“ یہ فریدی کی آواز تھی۔
”خاموش رہو مکار۔“ رینو کا پھر جھی۔ ”میں ہر حال میں اس بے عزتی کا بدلہ لے کر رہوں گی۔“
”تمہاری مرضی۔“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”مگر اُس آدمی سے کہہ دو کہ جھیں اتنے پیار سے
نہ دیکھے ورنہ میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔“

”ش اپ۔“ رینو کا نے کہا اور ساتھ ہی ایک کوڑا اور پڑا۔

حمد کا سر چکر اگیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا جسچھ فریدی کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر
گئی ہے کہ اس حالت میں بھی وہ ذرہ برابر خوف کا اظہار نہیں ہونے دے رہا ہے۔

حمد نے سوچا کہ وہ کیوں نہ یک بیک ان لوگوں پر فائزگ شروع کر دے مگر پھر سوچا کہ
کہیں ان میں سے کوئی فریدی کو جسچھ گولی نہ مار دے۔ اس نے جھاڑیوں سے جھاٹک کر دیکھا

فریدی کے دو توں ہاتھ درخت کے تنے کے گرد لے جا کر کلاسیوں کے پاس سے باندھ دیئے گئے تھے۔ حید نے جہاڑیوں سے ہاتھ کھال کر فریدی کے ہاتھوں کو چھوڑ اس کے ہاتھوں میں ایک جیکلے دار جنسی ہوئی اور حید رسمیوں کے مل کھونے لگا۔

محاصرہ

پھر پوری رسی کھول ڈالتے سے پہلے اس نے یہ مناسب سمجھا کہ فریدی کو ایک ریو اور پکڑا دے۔ فریدی کے ہاتھ آزاد ہو گئے۔ لیکن اس نے انہیں پہلی ہی جیسی حالت میں رہنے دیا۔ کوڑے اس پر برابر بر سر رہے تھے۔

”رینو... ڈارٹنگ ایک بات سنو۔“ اس نے بڑے بیار سے کہا۔
رینو کا نہ ہاتھ روک لیا۔

”تمہیں وہ ریستوران والی بات یاد ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اس مردہ عورت کو اس وقت اپنے قریب دیکھ رہا ہوں۔“

”مت بکو۔“ رینو کا نہ چیخ کر کہا۔ ”تم مجھے انہیں ہاگئے۔“

”اچھا اگر یقین نہیں آتا تو اپنے ہاتھوں پر اٹھاؤ۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور اس کے ہاتھ حید کی نظروں سے غائب ہو گئے۔
”اور تم تینوں بھی۔“ فریدی نے کڑک کر کہا۔ ”خبردار اگر ذرا بھی جنسی کی تو بیسمی ہو ایں اڑتے پھریں گے۔“

رینو کا کہ منہ سے چیخ نکل گئی۔

حید نے جست لگائی اور جہاڑیوں کو پھاٹکا ہوا فریدی کے برابر چیخ گیا۔

رینو کا کہ منہ پر ہو ایسا اڑ رہی تھیں۔

”ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ۔“ فریدی نے حکماش لجھے میں کہا۔ ”رینو کا تم بھی چلو۔“
سب ایک ہی قطار میں کھڑے ہو گئے۔

”ان کی ٹلاٹی لو۔“ فریدی نے حید سے کہا۔

حید نے ان سب کی جیسیں مٹولی شروع ٹیکیں تینوں کے پاس ریو اور نکلے پھر دو رینو کا کے

قریب پہنچ کر رک گیا۔

"جان من اگر کوئی خطرناک چیز تمہارے پاس ہو تو تم خود ہی نکال کر دے دو۔ میں تمہارے مقدس جسم کو اپنے نیپاک ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔" حمید نے مودبانت انداز میں کہا۔
"حید جلدی کرو۔" فریدی نے کہا۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے۔" رینو کا آہت سے بولی۔

"یقین نہیں آتا۔" حمید نے کہا اور پستول کے دستے سے اس کا سارا جسم چھپتا کر رکھ دیا۔
"کچھ نہیں ہے۔" اس نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔
"اچھا ب داہنی طرف گوم جاؤ اور چل پڑو۔ اگر کسی نے یچھے پٹ کر دیکھا تو خیر نہیں۔"
فریدی نے مجرموں سے کہا۔

چاروں ایک قطار میں چل پڑے۔

"ٹمیک..... ہاں... اب اس دروازی میں اتر چلو۔" فریدی بولا۔

وہ سب دروازی میں باز گئے۔

یہ ایک بُج و بُڑا یک راستہ تھا۔ فریدی جیب سے ڈارچ نکال کر انہیں دکھانے لگا۔ راستے کی چوڑائی دو ڈھانی فٹ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ دو ٹوں طرف اوپنجی اوپنجی چٹانیں دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ تقریباً ایک فرلانگ چلتے کے بعد وہ پھر اوپنجی تینجی چٹانوں کے درمیان آگئے۔ آدمی کھٹنے تک وہ ناہموار کھڑا دار راستے پر چلتے رہے۔ پھر ایک ایسی جگہ پہنچ جہاں چاروں طرف اوپنجی اوپنجی چٹانیں تھیں اور نیچے میں زمین ہموار تھی۔ حید جو راستے پر قطعی خاموش رہا تھا۔ یہاں کسی طرح اپنی زبان نہ روک سکا۔

"لیکن آپ اس کے بھتے کس طرح چڑھ گئے۔"

"تمہارا انتقال کر رہا تھا کہ انہوں نے نہ جانے کدر سے آلیا۔ بس سمجھ لو کہ غفلت میں مارا گیا۔ لیکن تم نے بڑی داشمندی سے کام لیا۔ مجھے خدا ش تھا کہ کہیں تم آتے ہی فائزگن نہ شروع کر دو۔"

"میں ہر وقت بد حواسی کے موڑ میں نہیں رہتا۔" حمید نے کہا۔ "حکم ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"بس اب کہیں نہیں جاتا ہے۔" فریدی نے کہا اور قیدیوں کو رکھنے کا حکم دے کر ہو لے ہوئے سیٹی بجانے لگا۔

ادھر اور ہر کی چٹانوں سے فوجی سپاہی کو د کر آنے لگے اور دیکھتے دیکھتے تیس چالیس سچ

فوجیوں نے انہیں اپنے زرنے میں لے لیا۔ ان میں ایک سینئر لیفٹینٹ بھی تھا۔ ”قیدی“ فریدی نے لیفٹینٹ سے کہا۔

چاروں کے ہھکڑیاں لگادی گئیں۔

”رینو ڈارلٹ مچے افسوس ہے کہ تمہارے لئے تمہل کی ہھکڑیوں کا انتظام نہ کر سکا۔“ فریدی نے کہا۔

رینو کا نے اپنا تھلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سر جھکایا۔ کئی فوجی اُسے لپائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فریدی نے یہ چیز محسوس کر لی اور لیفٹینٹ سے بولا۔

”آفسر! یہ قیدی بہت اہم ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نکل گیا تو پھر ہم زندگی بھر کا میاب نہیں ہو سکتے۔“

”یہ لیفٹینٹ مسکرا کر بولا۔“ ان کے فرشتے بھی نہیں نکل سکتے۔“

”تیل کے چشوں کی طرف کون جائے گا۔“ فریدی نے اُس سے پوچھا۔

”خود کیپشن شہاب۔“

”ٹمیک ہے۔“

تیل کے چشوں کا نام سن کر وہ چاروں بُری طرح چوٹکے۔ خصوصاً رینو کا تو سفید پُر گنی۔

”رینو ڈارلٹ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیل کے چشوں کا ڈھونگ کس لئے رچایا گیا ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ آج وہ نیلی سرچ لائٹ بھی ہمارے قبضے میں آجائے گی اور وہ خونی شعائیں نیلی روشنی کی گود سے نکل کر ٹیکم گڈھ کی فضاوں میں پرواز کرتی ہیں اور سناؤ تمہارے کبوتروں کا کیا حال ہے اور ہاں یہ بھی سنو کہ اب کوئی جوان آدمی رینے یہم سے متاثر شدہ سونے کا ٹکار ہو کر سفید موت نہیں مرے گا۔“

رینو کا حیرت سے آنکھیں چھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھی تو بُری طرح گھبرائے ہوئے تھے۔

”میں تم سے نہیں پوچھوں گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”گر ڈگانج کے درے سے حیثا کیا چیز اسمگل آؤٹ ہوتی ہے اس لئے کہ شانکہ اس راز سے تم بھی واقف نہ ہو گی۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔

پھر وہ تھوڑی دیر بعد لیفٹینٹ کی طرف مڑا۔ ”اچھا آفسر اب تم انہیں سنھالو اور بقیہ پروگرام تو جھیں معلوم ہی ہے اور ہاں کیپشن شہاب کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔“

”ڈیڑھ سو۔“

”بہت ہیں۔“ فریدی نے اطمینان لے جئے میں بولا۔ ”چھاتو اب میں اپنا کام دیکھتا ہوں۔“ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔

”میں کچھ بولتے چلتے۔“ حمید نے کہا۔ ”ورنہ میرا بھیجا کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں معلوم ہو جائے گا۔“

”سبر... سبر فرزند۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”سب معلوم ہو جائے گا۔ ذرا آہستہ بولو اس طرف آجائو... اس دراز میں۔“

”یہ اتنے فوجی کہاں سے کچھ لے۔“

”ہاتا ہوں... میرے خیال سے ابھی تینیں تھیں اور انہیں میرا کچھیں جانے دو۔“ فریدی نے ایک مناسب جگہ خلاش کر لی اور وہ دونوں بیٹھنے لگئے۔

”نہ جانے کب سے میں نے سگار نہیں پیا۔“ فریدی نے ایک سگار سلاکتے ہوئے کہا۔ حمید خاموشی سے ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

”تمہارے جانے کے بعد۔“ اس نے ایک طویل کش لے کر منہ سے آہستہ آہستہ دھوائ نکالتے ہوئے کہا۔ ”میں نے پھر اپنا ارادہ بدلتا تھا اور میں مجھ نظرت کے یہاں جانے کے بعد سید حاکم شریف آدمی نے میری اسکیم کے مطابق یہ سارا انتظام کر دیا۔ وہ خود بھی یہاں کی پولیس سے کافی برگشتہ ہے اور اُسے یہاں کی محافظ فونج پر بھی اعتداد نہیں ہے لہذا اس نے لگکری کیمپ سے مدارس رجسٹ کا ایک دستہ بلایا ہے اور وہی میری مدد کر رہا ہے۔“

”لیکن یہ تمل کے چشمیں کا کیا قصہ ہے۔“

”میا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں سے دس میل دوری پر چند غیر ملکی ماہروں نے پڑوں کے ذخائر کا پتہ لگایا ہے اور وہاں کھدائی کا کام ہو رہا ہے۔ ایک غیر ملکی کمپنی نے تحریک لیا ہے۔ لیکن سنو آج سات ماہ سے کھدائی جاری ہے۔ لیکن وہ ایک قطرہ پڑو لیم حاصل نہیں کر سکے۔“

”تو پھر...!“ حمید بے چینی سے بولا۔ ”میا آپ کا خیال ہے کہ وہ یہاں سونا کھود رہے ہیں۔“

”قطعی نہیں... یہاں سونا کہاں سے آیا۔“

”پھر...!“

”سونے سے بھی کوئی زیادہ اہم چیز۔“

”یعنی...!“

”چھوڑو یار... ابھی سے مجھے لال بھکڑو ہانے کی کوشش نہ کرو۔ میں بھی تمہاری ہی طرح آدمی ہوں۔“

”تو وہاں بھی کوئی فوجی دستہ گیا ہے۔“

”ہاں....!“

”کیوں....!“

”نیلی سرچ لائٹ اور اُسے استعمال کرنے والوں کو قابو میں کرنے کے لئے۔“

”نیلی سرچ لائٹ۔“

”ہاں پیداے! نیلی سرچ لائٹ! اور وہ آگہاڑیاں۔“

”کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔“ حمید نے کہا۔

”بھلا شرمندگی کس بات کی۔“ اگر وہاں کوئی سرچ لائٹ استعمال کی گئی تو وہ انہیں پکڑ لیں گے۔ ورنہ وہاں آ جائیں گے۔“

”فرض کیجئے انہیں آپ کی اسیم کی اطلاع ہو گئی اور وہ آج چپ چاپ ہی بیٹھ رہے۔“

”اس کا امکان بہت کم ہے کہ مجرموں کو اس کا علم ہو سکے۔“

”نہ جانے کیوں مجھے کامیابی کا یقین نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔

”نہ کسی پھر دیکھا جائے گا۔ بہر حال اب یا تو یہ راز ظاہر ہو گایا یہاں کی پیاسی چنانیں میرے خون سے رکھنیں نظر آئیں گی۔“

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا۔ پھر یہ بیک بولا۔

”یہاں کا محلہ سراغِ رسانی یا تو بالکل ناکارہ ہے یا سب کے سب مجرموں سے ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے پورے حالات تک سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اگر میں آج کشنز سے نہ ملتا تو اتنی باقیں کبھی نہ معلوم ہوتیں۔ جانتے ہو سب سے پہلے ہمسایہ ملک کے مفروضہ جہاں کن حربے کی طرف کس نے حکومت کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ یہ وہی اُس غیر ملکی کمپنی کے کارکن تھے۔ انہوں نے یہ شب ظاہر کیا تھا کہ ہمسایہ ملک اپنے کسی تباہ کن حربے سے پڑو لیم کے ذخائر بر باد کر دینا چاہتا ہے۔“

”پھر....!“ حمید نے اُسے ٹوکا۔

”بھر کیا! جب پہلے حادثے کے چھ ماہ بعد نیلی روشنی کا ظہور ہوا تو پھر انہی کارکنوں نے ہاں لگائی۔ اگر کچھ دنوں تک بھی سلسلہ جاری رہا تو ہمسایہ ملک سے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔“

”ظاہر ہے۔“ حمید نے کہا اور اپنے پاس میں تباہ کو بھرنے لگا۔

تحوڑی دیر سک خاموشی رہی۔ پھر حمید بولا۔

”ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں۔“

”وگراج کا دروازہ....!“ فریدی نے کہا۔

”مگر ہمیں تو اس دستے کے ساتھ ہونا چاہئے تھا جو تیل کے چشوں کی طرف گیا ہے۔“

”کیوں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کیا وہ زیادہ اہم نہیں۔“

”ہے کیوں نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس سے بھی زیادہ اہم وہ چیز ہے جو وگراج کے درے سے لی جاتی ہے۔“

”وہاں کے محافظ دستے کا کیا ہو گا؟“ حمید نے پوچھا۔

”ظاہر ہے کہ وہ نسلی روشنی دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگے گا۔“

”اور وہ پولیس چوکی۔“

”وہاں کے لوگ بھی ان کی تحریک کرتے ہیں بھلا کون ایسا ہے جو اس سفید حادثے سے نہ ڈرے گا۔“

”پھر....!“

”پھر ہم دیکھیں گے کہ سونا کس طرح لے جایا جاتا ہے۔“

”صرف ہم ہوں گے۔“

”نہیں کچھ فوجی بھی، جو تمنے بجے سے وگراج کے درے کے قریب شکار کھیل رہے ہیں، انہیں اونٹ سے قبل ہی انہوں نے واپسی کا بہانہ کر کے چھپنے کے لئے جگہ تلاش کر لی ہو گی۔“

”مگر....!“

”ہاں میں جانتا ہوں جو کچھ تم پوچھنا چاہتے ہو۔“ فریدی نے ایک طویل کش لے کر سکار بھاگتے ہوئے کہا۔

”وہ جو تم نے فوجی دیکھے تھے وہ وگراج کے درے کے محافظ دستے کو سنjal لیں گے۔“

”وہ بھی اسی درے کے قریب جنگلوں میں منتشر ہو گئے ہوں گے۔“

”یہ تو آپ....!“ حمید اس طرح بولا جیسے اُسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔

”تحلیلی پر سرسوں جمانے والا محاورہ اسی وقت میری سمجھ میں آیا ہے۔“

چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ دونوں گراج کے درے کی طرف بڑھنے لگے۔ اوپری اوپری چٹانوں کے درمیان آتے فریدی زمین پر لیٹ کر سینے کے بل رینگنے لگتا اور حیدر سردی سے کانپ رہا تھا۔ فریدی کے جسم پر بھی ایسے کپڑے نہیں تھے جو سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہوتے۔ بہر حال وہ بڑھتے رہے ایک جگہ فریدی رک گیا۔

”ہمیں یہیں نہ ہوتا ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ فوجی بھی کہیں قریب ہی موجود ہوں گے۔“

لومڑیوں نے چھنانشروع کر دیا تھا۔ کئی تو دوڑتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئیں۔ آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ نائلے میں ہوا کی سائیں سائیں اسکی لگ رہی تھی جیسے صدہ سال نیند میں ڈوبی ہوئی چٹانیں خواب آلوادا اور گہری سائیں لے رہی ہوں۔ کبھی کبھی جھماڑیوں میں پھاڑی چو ہوں کی سر سراہٹ گونج اٹھتی۔ فریدی کی گھڑی کی چکدار سوچیوں نے دس بجائے اور افغان میں نیلی روشنی ابھرنے لگی اور پھر انہیں گراج درے کے محافظتے کے کیپ میں پہنچل نتائی دی۔ وزنی جو توں کی بہت سی آوازیں چٹانوں میں گونجتے لگیں، جو آہستہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔ نیلی روشنی کی شعاعیں بڑھنے لگیں اور آس پاس بالکل ستانہ چھا گیا۔ البتہ بھاگنے والوں کے قدموں کی آواز کہیں دور نتائی دے رہی تھیں۔

”اخو....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

وہ دونوں درے کی طرف رینگنے لگے۔ ابھی وہ سڑک بھی نہیں پار کر سکے تھے کہ انہیں دور ایک بڑی سی متحرک چیز دکھائی دی جو تیزی سے درے کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ یہ دونوں تیز چلتے گے۔ لیکن سڑک کے کنارے پہنچنے سے قبل یہ وہ چیز قریب آگئی یہ ایک بغیر آواز کی الکٹریک کار تھی جو درے میں داخل ہونے جا رہی تھی۔ فریدی اور حیدر نے روپا اور نکال کر پہنچتے پھیلوں پر فائر گنگ کرنا شروع کر دی۔ کار سے بھی فائر ہوئے۔ غالباً کار کا ذرا سیور یوکھلا گیا تھا۔ اگر وہ فور آئی بریک نہ لگاڑتا تو وہ ایک چٹان سے ٹکر کر پاش پاش ہو جاتی۔

فوجیوں نے بڑھ کر اُسے نزٹے میں لے لیا اور کئی نارچوں کی روشنیاں اس پر پڑنے لگیں۔ کچھلی سیٹ پر ایک آدمی اونڈھا پڑا تھا۔ اس کی پیٹھے میں گولی لگی تھی اور ڈرائیور بیٹھا ہری طرح کانپ رہا تھا۔

”کون ہو تم....!“ فریدی نے گرج کر پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی در دوازہ کھوں کر اندر کھس گیا۔ درمیان میں ایک بڑا

صندوق رکھا تھا۔

فوجیوں نے رانفل کے کنڈے مار مار کر اس کا تالا توڑ دیا اور جب ڈھکنا اٹھایا گیا تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ اس میں سونے کی ایشیں بھری ہوئی تھیں۔

"تھرا...!" حمید نے نہرہ لگایا۔

ڈرائیور کو باندھ کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔

"کیپشن راجیشور مبارک ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیپشن نہیں لیغٹیننٹ ہوں۔" فریدی کے قریب کھڑے ہوئے فوجی نے کہا۔
"اتھے بڑے کارناٹے کے بعد آپ صرف لیغٹیننٹ نہیں رہ سکتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حیرت انگلیز انکشاف

اسی رات کو نیکم گذھ کی کوتولی و عریض صحن میں قیدیوں کا جم غیر نظر آ رہا تھا۔
نیکم گذھ میں سارے بڑے حکام موجود تھے۔ فریدی، اور حمید ایک جگہ کھڑے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ دھنٹا ایک بڑی سی ٹرک اندر داخل ہوئی اور رکنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک فوجی اُر پر سے کوڈ پڑا۔

"ہیلو کیپشن شہاب۔" فریدی بے اختیار بولا۔

"فحظ۔" کیپشن شہاب اپناداہتا ہاتھ اٹھا کر چینا۔

آفسرز اُس کے گرد جمع ہونے لگے۔

کیپشن شہاب بلند آواز میں فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "وہ نئی سرچ لائٹ ہی تھی۔ میں اُسے لاد لایا ہوں۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ ہمارا ایک آدمی کام آگیا۔ لیکن ہم نے انہیں جکڑ لیا ہے۔ سفید نسل کے پندرہ سور ہیں اور بقیہ اپنے دل کی کتے۔ کل پینٹالیس ہیں۔ ہمارا درادہ فائر گر کا نہیں تھا مگر خود انہوں نے چکل کی۔ مگر انی کے لئے کچھ آدمی چھوڑ آیا ہوں۔"

اس ٹرک کے پیچے کچھ اور ٹرکیں بھی تھیں جن پر سے قیدیوں کو اتارا جانے لگا۔ پھر سرچ لائٹ اتاری گئی۔ اس کی اوپرچاری چھٹ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی اور قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہو گا۔

”دیکھا آپ نے۔“ فریدی نے کشز کو مخاطب کر کے کہا۔ ”یہی ہے وہ جاہ کن اختیار جو
ہمایہ ملک استعمال کرتا تھا۔“

کشز پر خیال انداز میں سر ہلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ دونوں نہیں ہوئے و گراج درے کے مخالفوں کی طرف آئے فریدی ان کے آفسر
کیپشن رگھویر کے سامنے آ کر رک گیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کے ہوتزوں پر
عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔

”کیوں کیپشن! اسی طرح فرض ادا کیا جاتا ہے۔“ فریدی نے مقنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔
کیپشن رگھویر کے ہونٹ آہستہ سے ہلے لیکن آواز نہ تکلی۔ شاید کوئی گالی اُس کے ہوتزوں
تک آ کر لوٹ گئی تھی۔

”تم اپنی جان کے خوف سے بھاگے تھے تا۔“ فریدی طریقے لجھے میں بولا۔ ”ہاں فور آیے جلدی
سے بتا جاؤ کہ محلہ سراغِ رسانی کے کون بزرگ تم لوگوں سے ملے ہوئے تھے۔“

”میں کیا جانوں تم کیا بک رہے ہو۔“ کیپشن رگھویر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ لیکن پھر دفعہ
گر جنے لگا۔ ”مجھے ہتھڑی کیوں لگائی گئی ہے۔ میرے ساتھ معمولی مجرموں جیسا بر تاؤ کیوں کیا
جارہا ہے۔ میں پولیس کا قیدی نہیں۔ میں صرف اپنے آفسر کے سامنے جواب دہوں گے۔“
”جان من گیڑنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا اور ایک بھرپور رہا تھا رگھویر
کے منہ پر جھاڑ دیا۔ ساتھ ہی اس کے ہوتٹ بُری طرح بھینچ گئے اور اس کی آنکھوں سے خون اترتا
معلوم ہونے لگا۔

کشز کی موجودگی میں کسی قیدی کو چاننا مار دینا فریدی ہی کا کام تھا۔ سارے پولیس آفسر
ستانے میں آگئے خود کشز کے ماتحت پر بھی سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

”تمہاری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔“ فریدی نے دانت پیس کر کہا۔

”میں تین سال سے تمہاری تلاش میں ہوں۔“

کیپشن رگھویر چوک کر اسے گھورنے لگا۔

فریدی دوسرے آفسروں کو تحریر میں جتنا چھوڑ کر سفید قام کی طرف متوج ہو گیا۔

”شریف آدمیو! کیا تم ہم مشرقوں کو اتنا حق سمجھتے ہو۔“ فریدی نے انگریزی میں کہا۔
”یہ کیا بیہودگی ہے۔“ ان میں سے ایک گرج کر بولا۔ ”ہم لوگوں کو خواہ مخواہ پر بیشان کیا جا رہا
ہے۔ میں اپنے ملک کے سفار تھانے کو ایک پیغام بھیجنا چاہتا ہوں۔“

”اس تو چین کا مطلب۔“

وہ اس کے علاوہ بھی نہ جانے کیا کیا سکتا رہا
فریدی مسکرا تا رہا۔

”مشر فریدی۔“ کشنز نے فریدی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ذر الامر آئے۔“
پھر وہ اُسے ایک طرف لے جا کر کہنے لگا۔ ”سوچ سمجھ کر! حفاظت دستے کی گرفتاری تو خیر
کی نہ کسی طرح سمجھ کر جائز کی بھی جاسکتی ہے مگر یہ....! ان لوگوں کے خلاف ثبوت کہاں سے
ہبیا کیا جائے گا۔ ان پر صرف سرچ لائٹ استعمال کر کے ہر اس پھیلانے کا الزام لگایا جاسکتا ہے
لیکن اس پر ہمیں ایک آدھ بار انہیں وارنک دیئے بغیر گرفتار کر لینے کا حق نہیں ہے۔ قاعدے کی
رو سے سب سے پہلے ہمیں اس کی اطلاع ان کے ملک کے سفارتخانے کو دینی چاہئے تھی۔“
”مطمئن رہئے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ان کے جرم ہی کے لحاظ سے انہیں اس برناو
کے قابل سمجھا گیا ہے۔ محض سرچ لائٹ والا معاملہ ان کے لئے قطبی ناقابلی ہے۔“
”کیا سونے کا اسٹکنگ۔“

”جناب والا۔“

”مگر اس کا ثبوت۔“

”میں دوں گا۔“ فریدی قد رے جھک کر بولا۔

”بھی کیسے! میری سمجھ میں تو ناک بھی نہیں آتا۔“ کشنز نے آتا کر کہا۔ سونے کی اسٹکنگ
کے لئے اتنی سمجھی خان۔“

”وی عرض کر دوں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اسی خیال نے مجھے بھی ان تک پہنچایا ہے۔ اچھا
رکھو! یہ سکھ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اس کی قومیت۔“ فریدی نے کہا۔

”ظاہر ہے کہ سکھ ہے۔“ کشنز جھینجھلا کر بولا۔

”نہیں جتاب والا۔ سکھ ہونا تو الگ رہا۔ وہ اپنے دلیں کا بھی نہیں ہے۔“

”نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ کشنز نے آتا کر کہا۔

”اُبھی عرض کرتا ہوں۔“ آئے میرے ساتھ۔ فریدی نے کہا اور کیپن رکھو! یہ سکھ کے
قریب جا کر رک گیا۔

”ہیلو کر قل۔“ فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔
رجمو بیر سنگھے اختیار اچھل پڑا۔

”دیکھ رہے ہیں آپ۔“ فریدی نے کشز کو مخاطب کر کے کہا۔ یہ کیپن ہو کر کرع کے نام
پر چو نکلا ہے۔ حالانکہ اسے میری جہالت پر ہنسنا چاہئے تھا۔“

وہ پھر کیپن رجمو بیر سے کچھ کہنے جا رہا تھا۔ لیکن دفتر ک گیا اور کشز کو الگ لے جا کر بولا۔
”آپ یہاں کی سب سے بڑی ذمے دار شخصیت ہیں۔ اس لئے ایک چیز کا انتہا قل از وقت
ضروری ہے۔ میں ایک بہت بڑے راز سے پرداہ اٹھانے جا رہا ہوں جس سے ساری دنیا میں کھلیلی
جی سکتی ہے لہذا اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ہماری حکومت کا کیا روایہ ہو گا۔“ کشز آنکھیں
چھاڑ کر فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

”بھی کہہ بھی پکنے۔ مجھے کیوں خواہ خواہ ابھن میں جلا کر رہے ہیں۔“ اس نے جھنجلا کر
کہا۔ فریدی آگے جھک کر آہستہ اُس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ جسے حید نہ سن سکا۔
”نہیں....!“ کشز تھیر آمیز لبجھ میں بولا۔

”نہ گھوڑا درونہ میداں۔“ فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرا لیا۔

”اوہ، اگر یہ بات ہے تو۔“ کشز بے چینی میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

”جتناب والا... آپ کا خیال قطعی درست ہے کہ محض سونے کی اسکنگ کے لئے اتنی
اچھل کو دنائیکن ہے۔“

”تو پھر.... تو پھر.... اُسے اوپر اطلاع پہنچائے بغیر ظاہر نہ کرنا چاہئے۔“ کشز نے ہاتھ
ملتے ہوئے کہا۔

”کیپن رجمو بیر اور دوسرے سفید قام قیدیوں کو کسی الگ کرے میں لے چلئے۔“ فریدی نے
کہا۔ ”میرے خیال سے وہ کمرہ بہتر رہے گا۔ جہاں وہ سونار کھا گیا ہے۔“

”اور کون کون ہو گا؟“

”صرف آپ، میں اور میرا ساتھی۔“

”ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے!“ کشز وہاں سے ہٹ گیا۔

”کہنے کیا ب کوئی نئی بات سو جھی۔“ حید نے کہا۔

”بے صبری اچھی نہیں حید صاحب۔“ فریدی مسکرا لیا۔

”آپ تو اتنا مزہ لے لے کر آگے بڑھ رہے ہیں جیسے شب عروی بر کرنے جا رہے ہوں۔“

"تم تھیک کہتے ہو۔" فریدی سکار سلاکا تا ہوا بولا۔ "یہ واقعی شب عروضی ہے۔ مجرم میرے پنج میں ہیں اور میں ایک عظیم الشان جرم پر سے پرده اٹھانے جا رہا ہوں۔"

"پرده بک... بب.... حمید ہکلایا۔"

"شٹ اپ۔ کوئی لغויות سننے کے موڑ میں نہیں ہوں۔"

"خیر چھوڑیے! بتائیے یہ رگھویر سنگھ کون ہے۔"

"تف... ہے تمہاری ذہانت پر۔" فریدی نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ "جسہیں تو کوئی گھٹیا سا نہ اول نویں ہونا چاہئے تھا اس سنگھ میں نا حق جھک مارنے کے لئے آئے۔"

"اب میں کوئی غائب داں ہوں۔"

"سینکڑوں بار میری پرسل فائل میں اس کا فوٹو دیکھے چکے ہو۔"

"مجھے تیاد نہیں پڑتا۔"

"اُبھی یاد آجائے گا۔"

دوسروں قیدیوں کو گذرتے دیکھتے رہے۔

کمشٹ انہیں ایک علیحدہ کمرے میں لے جانے کا انتظام کرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس۔ نہ برآمدے سے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا وہ دو نوں اس کی طرف بڑھے۔

"یہاں اس برآمدے کے قریب بھی کوئی نہ آنے پائے۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا انتظام کر لیا گیا ہے۔" کمشٹ نے کہا اور وہ تینوں کمرے میں چلے گئے۔

رگھویر سنگھ اور سارے سفید قام قیدی موجود تھے۔ ان میں سے کچھ کے پھر وہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور کچھ بیچ و تاب کھا رہے تھے۔ رگھویر سنگھ بار بار اپنے خلک ہوتوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ اس کی نظریں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ وقتاً وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاید اُسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کی حالت بگزر رہی ہے۔ وہ تن کر بیٹھ گیا اور اس طرح غیر متعلقانہ انداز میں اوہر اورہ دیکھنے لگا جیسے اب وہ کمرے کے فرنچپر کی پاسیداری اور خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہئے گا۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جو کچھ بھی کیا گیا ہے اس کا خمیازہ تم لوگوں کو بھلتنا پڑے گا۔"

"خوب...!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ تم انفرادی حیثیت سے کہہ رہے ہو یا تمہاری زبان تمہاری حکومت کی نمائندگی کر رہی ہے۔"

"شاید تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رگھویر سنگھ دانت پیس کر بولا۔

حید کی ابھن پھر بڑھنے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلدی سے یہ ذرا مدد ختم بھی ہو چکے۔ لیکن وہ فریدی کی عادت سے بخوبی واقف تھا اس منزل پر پہنچ کر فریدی سے جلد بازی کی توقع فضول تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ مزہ لے لے کر آگے بڑھنے کا عادی تھا۔ جیسے نہایت لذیذ حشم کی آس کریم کھارہا ہو۔

فریدی رگھوپیر سنگھ کی بات کا جواب دینے کی بجائے کمشنر کی طرف مڑا۔

"میرے خیال سے ایک مجسٹریٹ کی موجودگی بھی ضروری ہے۔" اس نے کہا۔ "نمیک ہے۔ قطعی ضروری ہے، مجھے بھی خیال نہیں رہا تھا۔" کمشنر نے کہا اور آہستہ آہستہ قدم انھاتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔

فریدی کی نظریں رگھوپیر سنگھ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

حید سوچنے لگا کہ اگر یہ سولہ عدد یک بیک ان پر ٹوٹ پڑیں تو ہھکڑیاں ہی مار مار کر ان دونوں کا قیسہ بناؤں گے۔ وہ آہستہ سے دروازے کی طرف سرک گیا لیکن اُسے دہاں سے پھر ہٹنا پڑا۔ کیونکہ کمشنر ایک مجسٹریٹ کو اپنے ساتھ لے کر واپس آگیا تھا۔

"ہاں تو شریف آدمیو۔" فریدی قیدیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "وہ زہریا اسونا کس کی ایجاد تھی۔ میں اس عظیم سائنس کی زیارت کرنا چاہتا ہوں جس نے اس کو ریڈیم کے ساتھ چارچ کر کے اتنا خطرناک بنا دیا تھا کہ اُسے چھوٹے والے بوڑھے ہو کر مر جاتے تھے۔"

قیدیوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے۔ رگھوپیر سنگھ اپنی خونی آنکھوں سے فریدی کو گھوڑا رہا تھا۔ "تو صحیح معنوں میں تم ہی ان کے لیڈر ہو۔" فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ "بکواس ہے۔" رگھوپیر سنگھ چیخا۔

"کر مل ڈکسن۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہاری یہ ڈاڑھی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔" "کر مل ڈکسن...!" کمشنر اور مجسٹریٹ دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا اور وہ فریدی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھوڑنے لگے۔

"جناب والا۔" فریدی نے قدرے جھک کر بولا۔ "میں تین سال سے اس کی تلاش میں ہوں اگر یقین نہیں تو یہ دیکھئے۔"

فریدی نے بڑھ کر رگھوپیر سنگھ کی گپڑی کھینچ لی۔ گپڑی کے ساتھ ہی مصنوعی بال بھی اتر آئے اور رگھوپیر کی گنجی کھوپڑی بجلی کی روشنی میں اٹھے کے چھلکے کی طرح چکنے لگی۔

ڈاڑھی تو تم نے بڑھا لی تھی۔ ”فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”لیکن اس سمجھی کھوپڑی کا اعلان کس طرح کرتے۔ تم لوگوں نے ایتم بہم بنا نے کی جائے سمجھی کھوپڑیوں کو دوبار پہر بہار بنا نے کا کوئی آں ایجاد کیا ہوا تا تو اس وقت اس طرح تمہاری درگت کیوں نہیں۔ ”

پھر وہ کمشنز کو مخاطب کر کے بولا۔ ”یہ کرعی ڈکسن ہے ایک جنگ با؛ ملک کی سیکرٹ سروس ” کا ایک آفیسر۔ ”

”ارے.....!“ مجسٹریٹ چونکہ کر بولا۔

”اس کا فوٹو مرکزی دفتر میں محفوظ ہے۔“ فریدی نے کہا اور سونے کی اینٹوں والے صندوق کا ڈھکا اٹھا کر بولا؟ ”بھلا کسی سیکرٹ سروس والے کو سونے کی ناجائز برآمدے کیا سر دکار۔“

”کیوں نہیں۔“ حید بے ساختہ بولا۔ ”یہ ہمیں اس طرح انکال بنا کر اپنادست گھر بناتا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے کئی ملکوں کے ساتھ بھی حرکت کی ہے۔ کسی کا غلہ غائب اور کسی کا سونا غائب اور کسی کا کپڑا غائب اور پھر انہیں انہائی فراخ دلی کے ساتھ اپنالپند بنائے رکھتے کے لئے دل کھول کر مدد بھی دی ہے۔ ایک طرف انہیں لوٹا اور دوسرے دروازے سے بھی داتا بن کر آگئے ہیں۔“

”تمہارا یہ خیال بھی غلط نہیں ہے۔“ فریدی نے صندوق سے ایک اینٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔“

کرعی ڈکسن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فریدی پر جھپٹ پڑے گا۔ حید نے روپوں اور نکال لیا۔

”خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ملنے کی کوشش کی تو....!“

فریدی سونے کی اینٹ کو باتحہ میں تو لے لگا۔ پھر جیب سے ایک قلم تراش چاٹو نکالا۔ وہ چاٹو کا پہل اس طرح اس اینٹ کے کناروں پر چبھو رہا تھا جیسے کسی سختی سے بند کئے ہوئے ڈھکن کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

وھٹا اینٹ کی ایک پرت نکل کر زمین پر گری اور فریدی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ پھر اس نے کھلے ہوئے حصے کو ہتھیلی پر الٹا اور کسی دھمات کا چکنڈار برداہ ہتھیلی پر گرنے لگا۔ *

”دیکھا آپ نے۔“ فریدی نے کمشنز اور مجسٹریٹ کو مخاطب کای۔

”یہ کیا....!“ مجسٹریٹ کامنہ حیرت سے کھل گیا۔

کشرز بہت زیادہ سمجھیدہ نظر آرہا تھا۔ اس کے ہونٹ پہنچنے ہوئے تھے اور ماتھے پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"یورونیم...!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ دھات جو ایتم برم بنا نے میں کام آتی ہے۔"
"مگر... مگر...!"

"یہ دھات ہمارے یہاں بھی موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ان کا ملک ایک عرصہ سے اس پر دفاتر لگائے ہوئے ہے لیکن ہماری حکومت نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے دوسری چال چلی۔ مٹی کا تیل نکالنے کا ذہن چال رچایا۔ تقریباً اچھے ماں سے یہ کھدائی کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن آج تک قطرہ بھی نہ نکال سکے۔ اس عرصہ میں جو کچھ یہ حاصل کرتے رہے ہیں آپ کے سامنے ہے۔"

"اوہ...!" مجھ سے بے چینی سے ہاتھ ملنے لگا۔

"اور تم کر غل ڈکسن...!" فریدی رُگھوپیر سنگھ کی طرف مڑا۔ "آن سے تین سال قبل تم نے فوج میں کمیشن لیا اور ترقی کرتے کرتے کیپشن کے عہدے تک پہنچ گئے اور دُگراج کے درے تک تم کس طرح پہنچ یہ اب دیکھنا ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی بوتا رہا۔ "لیکن اتنا یاد رکھو کہ ہمارا یورونیم تجزیہ کا موس کے لئے نہیں تمہاری منصوبہ بندیاں خاک میں ملا دی جائیں گی۔ ہم دنیا میں امن چاہتے ہیں۔ کسی جنگ بازمیں کار نہیں بن سکتے۔"

کر غل ڈکسن یا رُگھوپیر سنگھ خاموش بیٹھا رہا اُس کے دو اؤں ہاتھ اس کی گود میں پڑے ہوئے تھے اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ وہ کسی حرکت میں مشغول ہے۔ دھنٹا اس کے چہرے پر کرب اور بے چینی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ ایک جھنکے کے ساتھ زمین پر آرہا۔ فریدی وغیرہ اس کی طرف لپکے لیکن وہ اتنی دیر میں سرد ہو چکا تھا۔

"کیا مر گیا...!" کشرز بوکھلا کر بولا۔

"جی...!" فریدی پر سکون لبھ میں بولا۔

"مگر کیسے...! مگر کیسے۔"

فریدی نے اس کا داہنہ ہاتھ انھلایا۔ ایک انگلی میں خون کا ایک نہا ساقطرہ دکھائی دیا۔ "میرے خیال سے اب اس قصے کو ختم کرنا چاہئے۔" فریدی نے سر انھا کر کہا۔ " مجرم آپ کے سامنے ہیں اور ان کا جرم بھی... اس سازش کے لیڈر نے آپ کے سامنے خود کشی کر لی ہے۔"

"مگر کس طرح۔"

"یہ دیکھئے....!" فریدی نے اُس کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مگر.... یہ کیا.... یہ خون....!"

"جی ہاں خون۔" فریدی نے اس کا بیان ہاتھ ٹھیک کر سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سارا فتور اس انگوٹھی کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ دیکھئے اس کا اوپری ڈھکن کھلا ہوا ہے اور اس کے اندر قلبی ہرجنی یہ نوکیلی سوئی غالباً ہر لی ہے۔ بہر حال یہ معلوم کرنا پوست مارٹم کرنے والوں کا کام ہے کہ موٹ کس طرح واقع ہوتی۔ اب انہیں آپ سن جائے۔ مجھے ابھی ان کے مستقر کو بھی دیکھتا ہے۔"

کمشز اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

"یہ سب جعلیازی ہے.... جھوٹ ہے۔" قیدی بڑا بڑا۔

"شٹ اپ۔" فریدی نے پلٹ کر کہا اور حمید کو لے کر کرے سے نکل گیا۔

پھر وہ ایک جیپ کار میں بیٹھ کر مٹی کے مفروضہ تھل کے چشوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید نبڑی طرح چک رہا تھا۔ اس کا میابی کے سلسلے میں اس نے بس بظیں ہی نہیں بجا میں درتہ اور سب کچھ کر گزر دیا۔

مٹی کے تھل کے چشوں پر ملٹری کا پہرہ لگا ہوا تھا اور اس دوران میں کیپشن شہاب پھر واپس چلا گیا تھا اور اس وقت وہیں موجود تھا۔ اگر پہلے ہی نہ چلا آیا ہو تو شاید اس وقت تک ان دونوں کو دہاں کھٹنے بھی نہ دیتا۔

تمہوڑی دیر کی چھان میں کے بعد فریدی نے بہت سے کار آمد کا غذاء پر قبضہ کیا اور اس پلانٹ کا بھی پہلے اکالیا جس کے ذریعہ یوروسٹم کو ذردوں کی شکل میں تبدیل کیا جاتا تھا۔

بھر موں کے خلاف ثبوت پیش کرنے کے لئے کافی مواد اکٹھا ہو گیا تھا اور انہیں کے کافی نتائج کی مدد سے مجھے سراغِ رسانی کے دو ایک پیش اور ایک ڈپنی پر منتسب بھی پکڑا گیا۔ لیکن یہ وہ نہیں تھا جو حمید کو ریگستانی اسٹیشن میں اپنی کار پر ٹیکم گذھ کے قریب لے گیا تھا وہ دونوں دوسری دوپہر تک وہیں مشغول رہے۔ اس دوران میں کمشز نے بھی کئی چکر رکائے۔ ساری تحقیقات انتہائی رازداری سے کی جا رہی تھی۔

دوسرے دن کے اخبارات نے صرف سونے کی تاجائز برآمد کرنے والے گروہ کی گرفتاری کا حال چھپا تھا۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ غیر ملکی سرمایہ دار مٹی کے تھل کے بہانے سونا کھود رہے تھے۔ کیپشن رکھویہ کی خد، کمشز کی خبر بھی

شائع ہوئی تھی۔ اس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اس نے فرض کی ادا نگی سے کوتاہی برتنے کی بدناہی سے بچنے کے لئے خود کشی کی تھی۔

کشرز کے الفاظ میں معاملہ اوپر کی طرف بڑھادیا گیا اور فریدی اور حمید واپس آگئے۔ اشیش پر ان کے مجھے کے اعلیٰ آفیسروں نے ان کا شامدار استقبال کیا اور کچھ دنوں بعد فریدی اور حمید کو وزیرِ اعظم کے خطوط ملے جن میں انہیں مبارک باد دینے کے بعد پوری قوم کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

اس زہریلے سونے کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ معاملہ چونکہ اور آگے بڑھادیا گیا تھا اس لئے اس میں اب کسی قسم کی کوئی منجائش نہیں رہ گئی تھی۔ کرعی ڈکسن کی موت کے بعد یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ملٹری میں کمن ذرائع سے داخل ہوا تھا اور اس کی رسانی اور گراج درے کے محافظ دستے تک کس طرح ہوئی۔ اس کا جو سامان ملا تھا اس میں بھی کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے ان حالات پر روشنی پڑ سکتی۔

ابتدہ فریدی آج تک اسی ادھیر بن میں پڑا ہوا ہے کہ مجرموں نے سونے کو ریٹیم سے کسی طرح چارج کیا تھا۔

حمدیہ اکثر اس پر چھیرتا۔

"اب چھوڑیے بھی اس چکر کو۔" وہ کہتا۔۔۔ "یہ سوچنے کہ ایک آدمی کو شادی کے قابل کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ آپ نے سونے کو ریٹیم سے چارج کر بھی لیا تو اس سے کیا فائدہ ہو گا۔ شادی بیکھے کم از کم ایک آدھی یاد گار تو چھوڑ جائیے ورنہ معلوم نہیں کب پستول کی گولی گدی سہلاتی ہوئی حلق کے راستے نکل جائے۔"

اور فریدی اسے قہر آلو دنیزوں سے گھور کر رہ جاتا۔

ختم شد